کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:11 Issue:5 May 2018

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

مومنِ کامل کا پانچواں وصف امانت داری و پاسِ عہد

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ (سورۃ المؤمنون)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے دنیوی و اُخروی کامیابی کے لئے کچھ شرائط بطور ابتلاء و آزمائش مقرر فرمائے ہیں، پھر انسان کو اس کا پابند بنایا ہے بلکہ انسان سے اس کا عہد لے رکھا ہے جو اس عہد کی پاس داری کرتا ہے اس کو حقیقی مومن قرار دیا ہے جو اس عہد کی پاس داری نہیں کرتا اس کو کامل درجہ کا مومن نہیں بتلایا گیا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں مومن کے دو اوصاف کا تذکرہ ہے، ایک امانتوں کی پاس داری، دوسرا عہد کی پاسداری، ان دونوں صفتوں کا مفہوم بالکل عام ہے گرچہ اصطلاح میں اس کو مخصوص کرلیا گیا ہے۔

''امانت'' کسی شخص پر کسی معاملہ میں بھروسہ کرنے اور اعتماد کرنے کو کہتے ہیں، شریعت کی نظر میں امانت ایک وسیع المفھوم لفظ ہے جس کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''ہر صاحبِ حق کو اس کا پورا پورا حق دینا اور اپنی مفوضہ ذمہ داری کو ٹھیک ٹھیک نبھانا لیکن معاشرہ نے امانت کے وسیع دائرہ کو امانتِ مالی تک محدود کردیا ہے، حالاں کہ عہدہ و منصب پر بھی امانت کا اطلاق ہوتا ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقعہ پر خانہ کعبہ میں نماز ادا کرکے جب باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ آیت جاری تھی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۵۸ (النساء) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن ابی طلحہؓ کے حوالے کردی۔

ایسے ہی راز کی حفاظت پر بھی امانت کا لفظ بولا جاتا ہے، غزوہ بنو قریظہ کے وقت ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ

---

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ایک صحابیؓ نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کے خاطر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک راز فاش کر دیا تھا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے بے وفائی مت کرو، اور جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو"، اسی طرح امام رازی نے اپنی کتاب تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ امانت کا باب بہت وسیع ہے چناں چہ زبان کی امانت یہ ہے کہ اسے جھوٹ، غیبت، چغلی، کفر و بدعت، فحش گوئی وغیرہ سے بچایا جائے، آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام دیکھنے میں استعمال نہ کیا جائے، غرض ہر عضو کی الگ الگ امانت ہے، اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کافی ہے: لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له امانت دین کی کسوٹی اور معیار ہے اور خیانت گناہِ کبیرہ اور جرم ہے۔

امانت کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں اہمیت کے ساتھ جس قدر وعدے اور وعیدیں ہیں اسی قدر امانت ہمارے معاشرہ میں آج بے حیثیت ہو کر رہ گئی ہے؛ بعض لوگ ان نصوص کو صرف مالی امانت پر محمول کر کے مال میں خرد بُرد سے تو بچے ہوئے ہیں لیکن امانت کے بعض شعبے وہ بھی ہیں جو مالی امانت سے زیادہ اہم ہیں، مالی خیانت سے صرف کسی ایک کا مال ضائع ہو گا اگر چہ یہ بھی ایک سنگین جرم ہے مگر عہدہ و منصب کا کسی نا اہل کو مل جانا یہ اتنی بدترین خیانت ہے جس کی چھاپ سارے معاشرہ اور قوم کی قیادت پر پڑتی ہے جو مالی خیانت سے زیادہ نقصاندہ ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری نا اہلوں کے سپرد کر دی گئی ہے تو بس قیامت کا انتظار کرو۔ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ جب قوم کی قیادت کا کام، افراد سازی کا کام، امانت و دیانت کا کام، انتظام وانصرام کا کام، تدریجات و ترقیات کا کام، ذہنی تحفظات کی وجہ سے قابل لوگوں کے ہوتے ہوئے نا قابل اور کم قابل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو پھر امن کے بجائے فساد، افراد سازی کے بجائے افراد پروری، خودداری واستغناء کے بجائے تملق و چاپلوسی، حسنِ انتظام کے بجائے بدنظمی، ترقیات کے پردے میں تنزلی ہی پیدا ہو سکتی ہے، کوئی خیر وجود میں نہیں آ سکتا الا یہ کہ خدا کا فضل شامل حال رہے۔ لہذا اکمالِ ایمان اور حقیقی فوز و فلاح کے لئے امانت کے تمام تقاضوں پر عمل کرنا از حد ضروری ہے۔

مومن کامل کی ایک اہم صفت عہد کی پاس داری بھی ہے، سوال یہ ہے کہ عہد کسے کہتے ہیں؟ عہد کے معنیٰ قول و قرار لیکن اسلامی نظریہ کے مطابق اس کا معنیٰ حقوق اللہ، حقوق العباد، معاشرت، تجارت، معاملات کی تمام تمام صورتوں کو شامل ہے جس کی پاس داری عقلاً، شرعاً اور اخلاقاً لازم ہے؛ امام قرطبیؒ کا ارشاد ہے امانت و پاسِ عہد دینی و دنیاوی معاملے پر حاوی ہے، چاہے وہ قولی ہو یا فعلی، قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر عہد کی پاس داری کو لازم قرار دیا گیا ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت داری اور ایفائے عہد کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کیجئے

مولانا سید نذیر احمد قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ یُؤَدِّ زَکوٰتَه مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ القِیَامَةِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ یَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَیْهِ یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ، اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الاٰیَة (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، دولت مند بنایا، اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا وہ مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل بن کر آئے گا، جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ قیامت کے دن اس زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ سانپ اس کے منھ کے دونوں کنارے یعنی اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور ڈستا رہے گا اور کہے گا میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (آل عمران: ۱۸۰)

تشریح: انسانوں کو دی گئی خدا تعالیٰ کی نعمتیں درحقیقت امانتیں ہیں جن کے بارے میں بندگانِ خدا سے پوچھا جانے والا ہے کہ ان نعمتوں کا کتنا حق ادا کیا ہے، نعمتیں چاہے مادی ہوں کہ غیر مادی ہر ایک کے حقوق ہیں مال کی نعمت بہت بڑی دولت اور نعمت ہے، انسانوں کے دل میں اس کی محبت رکھی گئی، قرآن مجید میں اس کو ''خیر'' کہا گیا، اسی مال سے انسانی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے، اور یہی سامانِ آسائش وراحت کے حصول کا اہم ذریعہ بھی ہے، جب تک یہ مال انسان کو حاصل رہتا ہے وہ فکر وہموم سے اپنے کو خالی سمجھتا ہے اور جب مال میں کمی ہوتی ہے، احتیاج بڑھتی ہے تو آدمی فکر مند ہوتا ہے۔

---

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

معلوم ہوا کہ مال سے انسان کی محبت فطری ہے، اور اسلام بھی اس فطری جذبہ کا بھر پور خیال ولحاظ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مال جو انسان کے ہاتھ میں ہو، جیب میں ہو، اس کی ضروریات کی تکمیل کر رہا ہو اور اہل حقوق کے حقوق بھی ادا ہو رہے ہوں تو یہ مال بہت مبارک باعثِ خیر، ذریعۂ برکات ہے، لیکن جس مال میں حقوق کی ادائیگی نہ ہو بالخصوص مال کا اولین حق زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہو تو یہ مال خیر نہیں بلکہ شر ہے اور وہ مال جس کی محبت دل پر غالب آ گئی ہو اور رگ وپئے میں سما گئی ہو اور یہ محبت حقوق کی ادائیگی سے مانع ہو تو یہ بخل ہے جو شریعت میں حرام ہے اور یہی مرض بڑھتا ہے اور حقوق کی عدم ادائیگی کے ساتھ مال بڑھانے کی فکر ہوتی ہے تو اس کو حدیث میں ''شح'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان اور شح یعنی حرصِ مال کبھی بھی ایمان والے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے ایمان والے کو چاہیئے کہ جب اللہ نے اُسے مال دیا ہے تو اس مال میں اہلِ حقوق کے حقوق کی پاس داری کرے۔

مذکورہ حدیث میں نبی علیہ السلام نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ جس کو اللہ نے نعمت مال سے مالا مال فرمایا ہے پھر وہ اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو وہ مال اس کے لئے وبالِ جان اور باعثِ عذاب بن جاتا ہے جس کی شکل یوں ہوگی کہ وہ مال گنجا سانپ بن کر آئے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔

سانپ کی جو ہیئت ذکر کی گئی ہے اس کے بارے میں شراحِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ سانپ گنجا اسلئے ہوگا کہ انتہائی زہریلے پن کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں گے اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو کالے ٹیکے ہوں ایسا سانپ بہت طویل عمر والا اور سخت زہریلا مانا جاتا ہے، اور یہ اس زکوٰۃ روکنے والے پر مسلط کیا جائے گا پھر وہ اس کے منھ کے دو کناروں کو پکڑ کر ڈسے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں، نبی علیہ السلام نے یہ بات ذکر کر کے فرمایا کہ سنو اللہ تعالیٰ بھی قرآن مجید میں اسی طرح کے عذاب کا تذکرہ فرماتے ہیں پھر آپ نے سورۂ آلِ عمران کی آیت تلاوت فرمائی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو ضروری مواقع میں ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی، ہرگز نہیں! بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت بُری ہے کیوں کہ انجام اس کا یہ ہوگا کہ وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا سانپ بنا کر جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔

(بقیہ صفحہ:۱۸ پر)

پیش گفتار

لڑکیوں کی دینی تعلیم

ضرورت، صورتِ حال، اور چند تجاویز!

از: مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ نستعین

گذشتہ شمارے میں راقم نے مدارسِ اسلامیہ کی بدنظمی و بے عُنوانی کے حوالے سے چند باتیں اختصار واشارے کے ساتھ عرض کی تھیں؛ مدارس کو نظم ونسق کا پابند بنانے بالخصوص مالیات کو صاف وشفاف رکھنے کی ضرورت ظاہر کر کے اس سلسلے میں چند تجاویز بھی پیش کی تھیں؛ آج کی صحبت میں جی چاہتا ہے کہ مدارسِ نسوان کے سلسلے میں چند اہم امور کی طرف علماء کرام کی توجہ مبذول کراؤں، اس لئے آج یہی گفتگو مدنظر ہے۔

یہ بات تو حقیقت ہے کہ لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت سماج کی ایک اہم ضرورت ہے جس کا بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ انتظام ہونا چاہیئے، اس حقیقت وضرورت کو تسلیم کرنے میں دورائیں نہیں ہوسکتیں، لیکن اس کی صورت کیا ہو؟ اور نصاب ونظام کیسا ہو؟ اس میں آراء مختلف ہیں اور سب ہی قابلِ غور ہیں، بعض حضرات کے خیال میں مسلم بچیوں کے لئے گھریلو تربیت اور خانگی تعلیم کا قدیم رواج ہی بہتر اور نسوانی نفسیات سے زیادہ ہم آہنگ ہے بلکہ ہر اعتبار سے یہی احوط واسلم طریق ہے، تاہم مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں علم دین کی کمی اور دینی تہذیب سے دوری پیدا ہوجانے کی وجہ سے یہ صورت فی زمانناتقریباً متعذر ہوگئی ہے، ایک ماہر تعلیم کے بہ قول:

”پرائمری اسکولوں کا وجود پہلے کسی زمانے میں نہیں تھا، لوگ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہی گھر سے باہر جایا کرتے تھے، ابتدائی تعلیم اپنی ماؤں اور خاندان کے بزرگوں سے حاصل ہوجایا کرتی تھی، مگر جب سے ماؤوں نے تعلیمی وتربیتی ذمہ داریوں سے اپنے کو سبک دوش کرلیا تب سے چھوٹے بچوں کے لئے اسکولس کا تصوُّر وجود میں آیا“

یہ بات اگرچہ ایک جرمن ماہر تعلیم نے عصری علوم کے اسکولوں سے متعلق کہی ہے، لیکن دینی تعلیم وتربیت کی بھی بالکل یہی صورت حال ہے کہ گھروں سے اس زمانے کے مظلوم مسلم بچوں کو نہ بنیادی دینی تعلیم مل پارہی ہے اور نہ ہی اخلاقی ومذہبی قدروں کا کوئی تصوُّر حاصل ہورہا ہے، اس کی وجہ خود ماں باپ کا اپنے مذہب کے عقیدہ واخلاق سے نابلد و بے خبر ہونا ہے، ایسے حالات میں بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کا گھروں میں ہوجانا سب سے بہتر ومحفوظ طریقہ ہونے کے باوجود اسی طرح ناممکن ہوگیا ہے جس طرح عصری تعلیم کا حصول ناممکن ہے ـــ الا ماشاء اللہ ـــ بالخصوص دیہی علاقوں اور غریب خاندانوں کی بچیوں کے لئے تو یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ جس طرح بچوں کے لئے مدارسِ دینیہ قائم کئے جاتے ہیں اسی طرح بچیوں کے لئے بھی جگہ جگہ مدارس قائم کرکے اُن کی بھی تعلیم وتربیت کا سامان کیا جانا چاہیئے، کیوں کہ مرد کی تعلیم سے دین کا جتنا استحکام ہوسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ عورت کی تعلیم سے ہوسکتا ہے؛ چناں چہ ہمارے ملک میں قدیم روایات کو توڑتے ہوئے نصف صدی قبل ہی اگرچہ اس تصور پر عمل اور اقامتی مدارسِ نسوان کے قیام کا آغاز ہوچکا تھا مگر گذشتہ پچیس تیس سال کے دوران بہت تیزی کے ساتھ اس رجحان کو قبولیت حاصل ہوتی گئی اور اب بلا مبالغہ ہزاروں مدارسِ نسوان ملک کے طول وعرض میں پھیل گئے ہیں۔

پھر اس سلسلے میں دو نقطۂ نظر ہیں اور دونوں رائج ہیں؛ ایک تو یہ کہ یہ مدارس اقامتی شکل میں ہوں اور ان میں باقاعدہ نظامِ تعلیم وتربیت اور مکمل نصاب عالمیت پڑھایا جائے، دوسرے یہ کہ اگرچہ مکمل نظام ونصاب پڑھایا جائے مگر غیر اقامتی طور پر مدرسہ چلے، دن کی ایک مقررہ میقات میں طالبات اپنی ذمہ داری سے خود پہونچیں اور واپس اپنے گھر چلی جائیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ دیہی یا مدرسہ سے دور رہنے والی بچیاں علم سے محروم ہوجائیں گی جب کہ ان کو بھی اس کی سخت ضرورت ہے؛ بعض کا خیال ہے کہ کم سنی میں بچیوں کو داخلہ دیا جائے اور بہت مختصر نصاب کے ذریعہ کم سنی ہی میں انہیں ضروریاتِ دین کے علم سے آراستہ کرکے فارغ کردیا جائے، مثلاً نو تا بارہ برس کی عمر میں یہ کام ہوجائے، تاکہ باشعور بچیوں کو سنبھالنے کی حساس ذمہ داری کسی اخلاقی خطرے کی نذر نہ ہوجائے، بعض حضرات کسی بھی عمر کی قید نہیں رکھے ہوئے ہیں، بعض مدارس بالغات ہی کے لئے قائم کئے گئے ہیں، یا اُن کے لئے بھی سہولت رکھی گئی ہے؛ پھر بعض مدارس میں صرف قرآن مجید ناظرہ وحفظ کا انتظام ہے، بعض عالمیت بلکہ افتاء تک بھی درجات رکھتے ہیں، تعلیم کے علاوہ عام طور سے مدارسِ نسوان میں خانگی صنعتوں کی ٹریننگ بھی ضرور شامل رہتی ہے۔

یہ تو مدارسِ نسوان کے اغراض و انداز سے متعلق نقطہ ہائے نگہ کا اجمالی خاکہ تھا، جہاں تک اِن مدارس کے نظم و انتظام کا معاملہ ہے تو وہ ملک کی چند معیاری درس گاہوں کو چھوڑ کر اکثر جگہوں پر قابلِ فکر ہے، نہ جگہ کشادہ، نہ قیام گاہوں کی صحیح ترتیب، نہ درس گاہوں کا معقول بندوبست، نہ پردے کے سلسلے کے شرعی مطالبات اور تقاضہ ہائے احتیاط کا لحاظ، نہ حفظانِ صحت کے تقاضوں کی تکمیل، نہ ذمہ دار کو اُناث کی فطری و نفسیاتی خوبیوں اور خامیوں کا ادنیٰ تجربہ! چناں چہ بعض مدارس میں سخت پٹائی اور معلمات کی ڈھٹائی کی اطلاعات ہیں، کہیں بچیوں کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کی شکایات، کہیں بے تہذیب گفتگو اور نامناسب اخلاق کا رونا ہے، اسی طرح بعض جگہ تعلیم صحیح ہے تو نظام صحیح نہیں، کہیں نظم و انتظام اچھا ہے تو تعلیم و تربیت قابل فکر ہے، کہیں ناظم و بانی کے گھر والوں کا تغلب و تسلط اور مداخلتِ بے جا سے سارا نظام چوپٹ ہو رہا ہے وغیرہ۔ غرض یہ اور ان جیسی بے عنوانیوں اور بدنظمیوں کے ساتھ نسوانی مدارس بہر حال چل رہے ہیں اور مزید کُھلتے جا رہے ہیں۔

جو بچیاں ان مدارس میں آتی ہیں اکثر غریب و متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں، شہری بھی ہوتی ہیں دیہاتی بھی، مہذب بھی، تہذیب ناآشنا بھی، ایک سے ایک ذہین و سمجھ دار بھی، ایک دم غبی و ضدی بھی، پھر یہ سب مختلف الاستعداد اور متنوع العادات ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ رہتی ایک ساتھ ہیں، اور انہیں سنبھالنے والی معلمات اس بات کی اہل نہیں ہوتیں یا انہیں اس کا احساس و فکر نہیں ہوتا کہ ان طالبات کی خوبیوں کو ایک دوسرے تک کیسے متعدی کیا جائے اور خامیوں و خرابیوں کو پھیلنے سے کیسے روکا جائے؟ جب کہ یہ طئے ہے کہ اجتماعی ماحول میں رہنے والے ایک دوسرے کے اثرات قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتے، بالخصوص بُرے اثرات کا سماج میں جلد پھیل جانا تمام عقلاء کے نزدیک متفق علیہ ہے؛ اس کے لئے ہر ادارے میں کم از کم مدرسے کی ذمہ دار خاتون پڑھی لکھی، مہذب، حلیم الطبع محنتی، بچوں کی نفسیات سے باخبر اور اچھے نتیجے کو ملت کے سامنے پیش کرنے کے قلبی جذبات سے معمور ہونا ضروری ہے؛ مگر عراق سے تریاق لانے تک مار گزیدہ کا کام تمام ہونے کا خدشہ بھی یقینی ہے، یعنی ایسی لائق و قابل معلمات کی تلاش یا انتظار میں ایک اہم کام روکا تو نہیں جا سکتا۔

پس چہ باید کرد؟ ایک صورت غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام تو بہر حال ہونا چاہیئے تا کہ قوم کی لڑکیاں دین سے بالکل بے خبر اور عقیدہ و عمل سے نابلد رہنے کے بجائے کچھ نہ کچھ مذہبی شعور، اور تہذیبی آراستگی پاتی رہیں، مگر اس کے ساتھ ہی اِن مدارس کو منظم کرنے اور ان میں تعلیم پانے والی بچیوں کے حقوق کی صحیح معنوں میں ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے چند امور کا اس کام کے کرنے والوں کو پابند بنانا چاہیئے، اِن امور کا نفاذ اگر چہ قانونی طور پر ممکن نہیں، البتہ اخلاقی و سماجی بنیادوں پر جس قدر ممکن ہو ضرور نافذ کیئے جا سکتے ہیں؛ بہ شرطے کہ ہر

علاقے کے اکابر علماء اپنی ذمہ داری سمجھ کر خصوصی توجہ دیں، نیز سماج کے بااثر مخلص و ہمدرد حضرات ان علماء کا ساتھ دیں؛ اس طرح بالیقین سدھار آئے گا اور بہت حد تک آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱) نسوان مدارس معمّر تجربہ کار اور کام کی نزاکت کا شعور رکھنے والے علماء ہی قائم کریں، نوجوان و ناتجربہ کار افراد کو اس کی اجازت ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔

۲) جو شخص بھی مدرسہ نسوان قائم کرے وہ تنہا مختار و متصرف نہ ہو، بلکہ اس کے چلانے کے لئے معتبر و متدین اور مخلص احباب کی ایک شوریٰ ضرور بنائی جانی چاہیئے، جو محض فرضی نہ ہو مؤثر بھی ہو۔

۳) مدرسے کا نظام و نصاب بڑے مدارس میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، اور تعلیمات کو ان کی سرپرستی اور نگرانی بھی حاصل ہو، یعنی امتحانات کرانے اور معیارِ تعلیم کی دیکھ بھال میں وہ شریک ہوں۔

۴) ناظمِ مدرسہ کی قریبی محرم مثلاً بیوی / والدہ / یا بہن اندرونی امور کی نگران ہو تا کہ وہ ہدایات کو نافذ و جاری کرنے میں اور اندرونی حالات سے باخبر رکھنے میں اپنے محرم سے وفاداری و خیر خواہی کر سکے؛ کیوں کہ ایسا نہ ہونے میں نقصان یہ ہے کہ اجنبی ذمہ دار اپنے کو معتمد و مقرب بنانے کے لئے غلط بیانیوں سے اور ہدایات پر عمل میں بے وفائی سے کام لے گی، جس سے نظم ابتر اور مقاصد متأثر ہو جائیں گے۔

۵) مالیات (آمد و صرف) کا صحیح ہونا اور اُن کے حسابات کا آڈیٹ کیا جانا بھی بہت ضروری ہے، کیوں کہ غیبی مدد اور کام میں خیر و برکت بہ قدر دیانت حاصل ہوتی ہے، ادارے کو معاونین کا اعتماد بھی اسی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔

۶) اقامتی مدارس میں مطبخ، طعام خانے اور طہارت خانے کا صاف ستھرا ہونا اسی طرح قیام گاہوں کا روشن و کشادہ ہونا بھی سخت ضروری ہے، کیوں کہ پردے کی وجہ سے تنگ جگہ میں متعدد افراد کا اجتماعی قیام حفظانِ صحت کے بنیادی حق کو مجروح کرتا ہے۔

۷) کھانے کا معیار بھی عمدہ ہونا چاہیئے، اس سلسلے میں بخل و کفایت سے کام لینے کے بجائے وسعت سے کام لینا چاہیے، کم از کم متوسط گھرانوں کا معیارِ اکل و شرب تو ان کا حق لازم ہے، جب ذمہ داروں نے انہیں اپنی امانت میں لے کر محبوس کر لیا ہے تو پھر حقوق کی ادائیگی کی بھی فکر کرنا چاہیئے، بلّی کو محبوس رکھنے اور حقوق ادا نہ کرنے والی عبادت گذار کا جہنم میں جانا سب کو معلوم ہے۔

۸) کوشش کی جانی چاہیئے کہ تمام اسٹاف خواتین ہی ہوں، پھر اگر تدریس کے لئے مردانہ خدمات ناگزیر ہو جائیں تو پردۂ شرعی کے علاوہ نفسانی اور نفسیاتی جذبات سے پیش آنے والے ہر ممکن خطرے سے حفاظت کا

سامان ضرور کیا جائے، کیوں کہ عالم بننا فرض کفایہ ہے جب کہ دیانت وتقویٰ کا تحفظ فرضِ عین! ظاہر ہے کہ کسی فضیلہ کے لئے کسی فریضے کی قربانی نہیں دی جاسکتی۔

۹) ناظمِ مدرسہ کا طالبات ومعلمات سے براہِ راست کوئی تعلق نہ ہو، ہر کارروائی بواسطۂ محرم خاتون کے کی جائے، بلاسخت ضرورت کے اُن سے فون پر بھی گفتگو نہیں ہونی چاہیئے، دفتر میں طلب کر کے یا اندرونِ مدرسہ جا کر کے طالبات یا معلمات سے گفتگو کرنا خواہ وہ کتنی بھی اہم کیوں نہ ہو نہ صرف خلافِ احتیاط ہے بلکہ سخت اخلاقی خرابیوں اور دین کی بدنامیوں کا سبب بھی ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ یوں تو معمولی واقعات اور چھوٹی موٹی بے احتیاطیوں سے کون سا کام محفوظ ہے اور کہاں تک اس سے بچا جاسکتا ہے مگر قریبی زمانے میں ہمارے علاقے میں پیش آئے مدراسِ نسوان سے متعلق بعض شرم ناک اور تکلیف دہ واقعات کے بعد سے برابر ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ ہماری مذہبی درس گاہوں کا کوئی مؤثر ومضبوط وفاق ہونا چاہیئے، وہ ایک ہو یا متعدد، مملکتی ہو یا صوبہ وار مگر ہونا چاہیئے، وہ مرکز کوئی ایک مدرسہ نہ ہو بلکہ مستقل مرکز ہو جو مدارس کو ضابطۂ اخلاق کا پابند بنائے اور خلاف ورزی کی صورت میں اصلاح کی کوشش کرے، ناکامی ہونے پر اس مدرسے کو مرکز کی رکنیت سے خارج کردے اور پھر تمام علماء کرام اس پر اپنے اپنے اعتماد سے براءت کا اعلان کردیں؛ بالخصوص آنے والے دور میں مدارس کے تحفظ اور اسے سرکاری مداخلتوں کے اسباب سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی یہ کام بہت ضروری ہے، رسمی قسم کے وفاقوں اور رابطوں سے بہت سے اہلِ مدارس بالکل ڈرنے والے نہیں ہیں، دین کے نام پر دنیاداری کرنے والوں پر شکنجہ کسنا بہت ضروری ہے، ورنہ یہ صنم خود تو ڈوبیں گے ہی یاروں کو بھی لے ڈوبیں گے۔

یہ کام ناممکن تو ہرگز نہیں ہے، بالکل ممکن اور بہت مؤثر ثابت ہوسکتا ہے، مگر اس کے لئے مجھ جیسے بے اثر کا مشورہ قطعاً مؤثر نہ ہوگا، ہر علاقے سے چند بااثر علماء کرام، اکابر علماء کرام کو آمادہ کر کے اُن کے ذریعے ایسا کوئی اقدام کروائیں تو ان سب بدنام کنندگانِ نیکوناماں کے دماغ ٹھکانے لگیں گے، اور اس عظیم ومبارک تحریک کے استحصال سے باز آنے پر مجبور ہوں گے؛ خدا کرے کہ ایسا کچھ ہوسکے۔

سردست مدارسِ نسوان کی حد تک کم از کم یہ ہوجائے کہ ہر ضلع کے سینئر علماء بلالحاظ فکری وابستگی وتحفظِ ذہنی ایک "بورڈ برائے تحفظ وترقیٔ مدارسِ نسواں" تشکیل دیں، مذکورہ بالا چند اہم امور کی زیادتی کے ساتھ باہمی مشورہ سے مرتب کریں، اور ضلع وار تمام مدارسِ نسواں کے ذمہ داروں کو جوڑ کر ان کی ذہن سازی کر کے انہیں اس بورڈ کا رکن بنائیں، موجودہ مدارس کو ان شروط سے ہم آہنگ ہونے کے لئے مناسب مہلت دیں، مشکلات میں

راہ نمائی اور مدد فراہم کریں؛ جو مدارس مربوط ہوجاتے ہیں ان کی ہر ممکن حمایت کریں، سال میں دو ایک مرتبہ جائزہ بھی لیا جاتا رہے، اس کے لئے متدین ومہذب خواتین کو بھی اِن مدارس کا معائنہ کرنے اور مخلصانہ مشوروں سے بورڈ کو مطلع کرنے کی زحمت دی جاتی رہے، نیز جو مدارس جڑنے کے لئے تیار نہ ہوں یا جُڑ کر ہدایات کی پابندی نہ کریں اُن کے لئے پورے ضلع کے علماء کرام اپنی حمایت سے دست بردار ہوجائیں، انہیں کسی قسم کا تصدیق نامہ نہ دیا جائے، یہ ایک مثبت اور امت کے حق میں خیر خواہانہ اقدام ہوگا، جو خطرات کو کم اور توقعات کو زیادہ کرے گا۔

کاش! کسی ایک ضلع ہی میں سہی اس عاجز کی اس تجویز پر عمل کی خبر زندگی میں مل جائے۔

اسی مضمون سے متعلق حضرت حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ — جو ماضی قریب کے وسیع الفیض عالمِ دین، شیخ طریقت، اور مصلح امت بزرگ ہیں — کے چند ملفوظات بعینہٖ ذیل میں شائع کئے جارہے ہیں، بہت ہی اہم باتیں ہیں، تمام ذمہ دارانِ مدارسِ نسوان کو بہ غور اور بار بار مطالعہ کرنا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد!

ارشاد فرمایا: جو لوگ لڑکیوں کے مدرسے کھولتے ہیں کوشش کریں کہ دِن کو پڑھائی ہو، رات کو لڑکیاں گھر چلی جائیں، اور اگر دارالاقامہ (قیام گاہ) بنانا ہی ہے تو اس کے اصول یہ ہیں کہ:

① مہتمم اس کی انتظامیہ اپنی محرم (بیوی، والدہ، سگی بہن، خالہ، پھوپی وغیرہ) کے سپرد کرے اور وہ بھی بُرقعہ سے جائے اور ان کی دیکھ بھال کرے اور مہتمم اپنی محرم کے ذریعہ سے لڑکیوں اور استانیوں کے تعلیمی کوائف کو حاصل کرے۔

② اور انتظامی غرض سے بھی لڑکیوں اور استانیوں سے براہِ راست خطاب نہ کرے؛ دیکھنا تو حرام ہے ہی، اِن سے پردہ سے بات کرنا بھی فتنہ سے خالی نہیں ہے، جو بھی ہدایات، تنبیہات، انتظامی معاملات وغیرہ ہوں اپنی محرم کو لکھ کر دے دے کہ وہ جاکر ان کو سمجھادے اور عمل کرائے، خود ان سے نہ بولے، عورتوں کی آواز میں کشش ہوتی ہے۔

اسی لئے قرآن پاک میں حکم ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیو! جب صحابہؓ کسی ضرورت سے مثلاً سودا وغیرہ لانے کے لئے تم سے کوئی بات کریں تو فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (الاحزاب: ۳۲) تو تمہاری آواز میں تمہاری فطری نسوانی لچک نہ رہے بلکہ بہ تکلف گفتگو یعنی آواز بھاری کر کے بات کرو۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ ازواجِ مطہرات نرم آواز میں گفتگو کرتی تھیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ عورتوں کی آواز میں ایک فطری نسوانی لچک

ہوتی ہے اس کو فرمایا کہ اپنی فطری آواز میں بات نہ کرو بلکہ بہ تکلف آواز کو ذرا بھاری کر کے گفتگو کرو۔

③ ایک لڑکیوں کے مدرسہ میں میں گیا اور چشم دید دیکھا کہ مہتمم صاحب سُرمہ لگائے ہوئے اور پان کھائے ہوئے بالغ لڑکیوں کے کمرے میں جارہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو کوئی ضرورت تو نہیں ہے، میں نے کہا کہ آپ کمرے میں جاجا کر کیوں پوچھتے ہیں؟ کیا آپ کے لئے پردہ معاف ہوگیا ہے؟ بعد میں اس بستی کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب رات کو مدرسہ ہی میں سوتے ہیں اور مدرسہ میں جس عورت کو نائب مہتمم رکھا ہے اس کا کمرہ مہتمم صاحب کے کمرے سے ملا ہوا ہے اور بیچ میں ایک دروازہ ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ **مخلوق کے نفع کی خاطر اپنے لئے دوزخ کا راستہ مت اختیار کرو**، نہایت بین الاقوامی گدھا اور بے وقوف ہے وہ شخص! جو دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے اپنے واسطے دوزخ کا راستہ بنا رہا ہے، ایسے نفع متعدی پر لعنت بھیجو جس سے تمہارا نفع لازمی برباد ہوجائے۔

④ اگر لڑکیوں کا مدرسہ کھولنا ہے تو نہایت تقویٰ سے رہنا پڑے گا، اپنی محرم یعنی بیوی، والدہ وغیرہ سے مدرسہ کا انتظام کراؤ، عورتوں کا عورتوں ہی سے رابطہ رہے، خود بالکل الگ رہو، اور اگر اتنی ہمت اور تقویٰ نہیں ہے تو مدرسہ بند کردو، دوسروں کو جنتی بنانے کے لئے خود جہنم کا راستہ اختیار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ کہ ہمارے ذریعہ سے دوسرے تو جنت میں پہنچ جائیں اور ہم نافرمانی سے جہنم میں چلے جائیں۔

نفع لازم مقدم ہے نفع متعدی سے، پہلے خود اللہ والے بنو، یہ فرض ہے، تقویٰ فرض عین ہے، اور مدرسے کھولنا فرضِ کفایہ ہے، عالم بننا، حافظ بننا سب فرضِ کفایہ ہے فرضِ عین نہیں ہے۔ آج مدرسوں میں فرضِ کفایہ کی فکر ہے کہ خوب مدرسے کھولو، خوب حافظ و عالم بناؤ؛ لیکن یہ بتایئے! مدرسہ کھولنے والوں کے ذمہ، اساتذہ اور طالب علموں کے ذِمہ تقویٰ سیکھنا فرضِ عین ہے یا نہیں؟ لیکن اس راستہ میں کیوں کہ مشکل نظر آتی ہے، نفس کو مارنا پڑتا ہے، حرام کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے فرضِ عین کو چھوڑ دیا اور فرض کفایہ کے پیچھے بھاگے جارہے ہیں اور جب تقویٰ نہیں تو حدود کی پابندی کیسے ہوگی، لہٰذا کہتا ہوں کہ اگر اِنتہائی تقویٰ، احتیاط اور خوفِ خدا کے ساتھ لڑکیوں کے مدرسے چلا سکتے ہو تو فبہا ورنہ ان مدرسوں کو بند کردو۔ مدرسہ سے مقصود جنت میں جانا ہے نہ کہ جہنم میں۔ (انعاماتِ ربانی: ۷۴ تا ۷۹)

اور ایک دوسری جگہ تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

① دارالاقامہ نہ قائم کیا جائے کہ احتیاط میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

② خواتین یا اُستانیوں کو مہتمم یا اساتذہ کرام براہِ راست کوئی ہدایت نہ دیں، نہ بات چیت کریں، نہ پردہ

سے، نہ فون پر، مہتمم کو اپنی بیوی یا خالہ یا بیٹی کے ذریعہ اُستانیوں کو کوئی ضروری پیغام، ہدایت، یا تنخواہ دینے کا اہتمام ضروری ہے، کسی بھی مرد کا اُستانیوں سے براہِ راست ہرگز کوئی بات چیت اور رابطہ نہ ہو، اور مہتمم اور اولادِ مہتمم اور مرد اُستاد کے براہِ راست بات چیت کرنے سے ''مدرسۃ البنات'' کے بجائے ''عشق البنات'' میں اِبتلا کا اندیشہ ہے۔

③ کوشش کی جائے کہ پانچ سال سے نو سال تک کی طالبات کے لئے ناظرۂ قرآن پاک اور حفظِ قرآن پاک اور تعلیم الاسلام کے چار حصے اور بہشتی زیور تک تعلیم پر اکتفا کیا جائے، اگر عالمہ نصاب پڑھانا ہو تو عربی کے مختصر نصاب سے تکمیل کرائیں، مگر پردہ شرعی کا سخت اہتمام ضروری ہے، ورنہ لڑکیوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ناظرہ قرآن پاک، بہشتی زیور اور حکایاتِ صحابہؓ وغیرہ پر اکتفا کیا جائے اور خواتین معلمات بھی باپردہ ہوں۔

④ عالمہ نصاب کی لڑکیوں کو شوہر کی خدمات اور آدابِ شوہر کا اہتمام سکھایا جائے اور عالم شوہر کی تلاش ان کے لئے ہو، ورنہ اگر ڈاکٹر اور اِنجینئر یا تاجر ہو تو دین دار ہونے کی شرط ضروری ہے۔

⑤ پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے، مہتمم اپنی محرم یعنی بیوی یا والدہ اور بہن وغیرہ سے دریافتِ حالِ تعلیمی یا دریافتِ حالِ انتظامی کرے، اگر اتنی ہمت نہ ہو تو مدرسۃ البنات مت قائم کرو اور مدرسہ بند کردو، دوسروں کے نفع کے لئے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو۔

⑥ مخلوق کے نفع کے لئے مردوں کا لڑکیوں کو پڑھانا یا پردہ سے بات چیت کرنا فتنہ سے خالی نہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ پردہ سے گفتگو کرنے والے بھی عشقِ مجازی میں مبتلا ہو گئے، لہٰذا اسلامتی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح کی دوری رہے۔

(بحوالہ: خزائن معرفت ومحبت: ۴۰۹، ۴۱۰)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

☆ام کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ بنت علی بن ابی طالبؓ، ہاشمیہ، حضراتِ حسنینؓ کی بہن ہیں، ان کی ولادت باسعادت سن چھ ہجری میں ہوئی، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے تو بہرور ہوئیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ روایت نہیں کیا۔

ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں نکاح کیا؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی صغرسنی میں ہی پیغام نکاح دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ ان سے نکاح کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ تو فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، ہر سبب اور نسب روز قیامت سوائے میرے سبب اور نسب کے ختم ہو جائیں گے۔ عبد اللہ بن زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کا مہر چالیس ہزار باندھا تھا۔

وہ تمہارے شوہر ہیں:

ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابو الحسن آپ میرا ام کلثوم سے نکاح فرمادیں میں ان کی کرامت وشرافت سے وہ کچھ حاصل کر پاؤں گا جس کو کوئی دوسرا حاصل نہیں کرسکتا، فرمایا: میں ان کو آپ کے پاس بھیج دوں گا، اگر آپ راضی ہوں تو ان کو اپنی زوجیت میں داخل کرلیں (یعنی وہ ان کی صغرسنی کی جانب اشارہ کرنا چاہتے تھے) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام کلثومؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چادر میں بھیجا، اور ان سے کہا: تم ان سے کہنا: یہی وہ چادر جس کے متعلق آپ نے کہا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کہا: حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم حضرت علیؓ سے کہنا کہ میں راضی ہوں، اللہ آپ سے راضی ہو، انہوں نے اپنا ہاتھ ان کی پنڈلی پر رکھا، تو ان کی پنڈلی کھل گئی، تو کہنے لگیں: کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ اگر آپ امیر المؤمنین نہ ہوتے تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی، پھر اپنے والد محترم کے پاس

* رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

آئیں، ان کو اس اطلاع دی اور فرمایا: آپ نے ایک غلط بوڑھے شخص کے پاس بھیج دیا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بیٹی! وہ تمہارے شوہر ہیں۔

زہری وغیرہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: ان سے حضرت عمر رضی اللہ کی اولاد میں ''زید'' تولد ہوئے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان سے ''رقیہ'' کی ولادت ہوئی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کا نکاح عون بن جعفر بن ابوطالبؓ سے ہوا، پھر ان کا انتقال ہوا تو والد محترم حضرت علیؓ نے ان کا نکاح محمد بن جعفرؓ سے کیا، ان کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کا نکاح عبداللہ بن جعفرؓ سے کیا، پھر انہیں کی زوجیت میں حضرت اُمّ کلثوم کا انتقال ہوگیا، ان تینوں بھائیوں سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

کہتے ہیں کہ رات میں فساد برپا ہوا، جس میں آپ کے صاحبزادے حضرت زید سوار ہوکر چلے، ان کو ایک پتھر لگا جس سے ان کا انتقال ہوگیا، یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عہد حکومت میں پیش آیا۔

(بقیہ صفحہ: ۸ سے)

دراصل اس آیت کی تشریح مذکورہ حدیث ہے جس میں عذاب کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، اور جس قسم کے مال میں آدمی نے بخل کیا ہو اسی قسم کے عذاب میں بھی مبتلا کیا جائے گا، جس کی وضاحت حضرت ابوذرؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو بھی شخص اونٹ یا گائے یا بکری کے نصاب کا مالک ہو اور اس کا حقِ زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس کے وہ جانور قیامت کے دن اس حالت میں لائے جائیں گے کہ بہت بڑے بڑے اور بہت تنومند ہوں گے پھر اس مالک کو اپنے کھروں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے پھر جب ان کا آخری حصہ روندتے کچلتے اور مارتے ہوئے گذر جائے گا تو ان کا پہلا حصہ اس مالک پر لوٹایا جائے گا یعنی ہر حصہ لوٹ لوٹ کر روندتا اور مارتا اس کے اوپر سے گذرتا رہے گا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب و کتاب کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلہ صادر نہ ہوجائے۔

(بخاری ومسلم)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے جن کو بھی جس قسم کے اموال کا مالک بنایا ہے اور اس میں زکوٰۃ فرض ہے تو ایسے لوگوں کو خدا کی پکڑ سے خوف کرتے ہوئے پوری دیانت داری کے ساتھ زکوٰۃ ادا کردینی چاہیئے، ورنہ خدا کی پکڑ سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ خدا توفیق دے کہ ہم اہلِ حقوق کے حقوق ادا کریں اور حق تلفی سے بچیں۔ آمین

گوشۂ رمضان

”روزہ“ اسلام کے نظامِ صحت کا اہم باب

حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی*

”روزہ“ اسلام کے نظام عبادت کی ایک اہم کڑی ہے اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ نماز اور زکوۃ کی طرح ”روزہ“ بھی سابقہ امتوں پر فرض کیا گیا تھا اور آخری امت یعنی امتِ محمدیہ پر بھی فرض کیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث کے مطابق سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ قرآن وحدیث میں ان کے رکھنے پر بڑے ثواب واجر کی خوشخبری دی گئی ہے اور نہ رکھنے پر وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ گویا ماہِ رمضان کے روزے بہرحال ضروری ہیں۔ اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ماہِ صیام میں روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو ان کو دوسرے دنوں میں رکھا جائے گا اور اگر ضعف و بیماری یا کسی اور عذر شرعی کے سبب دوسرے دنوں میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دیا جائے گا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ماہِ صیام کے روزے اسلام میں کتنے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔

”روزہ“ ایک ایسا عمل ہے جو اپنے آپ میں بے شمار فوائد رکھتا ہے۔ ظاہری بھی اور باطنی بھی، مادی بھی اور روحانی بھی، دنیوی بھی اور اُخروی بھی، ظاہری فائدوں میں ایک بڑا فائدہ انسان کی صحت سے متعلق ہے یعنی روزہ انسان کو صحت مند رکھنے میں موثر رول ادا کرتا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ دنیا میں صحت اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس پر جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، اگر آدمی صحت مند ہوتا ہے تو اسے زندگی کا لطف حاصل ہوتا ہے، بیمار آدمی زندگی سے لطف حاصل نہیں کرپاتا نہ اسے کھانا اچھا لگتا ہے، نہ پہننا، اوڑھنا اچھا لگتا ہے، نہ کہیں آنا جانا اچھا لگتا ہے، یہاں تک کہ عبادتِ الٰہی میں بھی نشاط واستغراق قائم نہیں رہ پاتا، صحت مند شخص کا معاملہ اس کے برعکس ہے، اُسے کھانے میں بھی مزہ آتا ہے، پہننے اوڑھنے، کام کرنے، سرگرمیوں کو جاری رکھنے، دوسروں کی معاونت کرنے وغیرہ میں بھی کوئی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔

صحت کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے باقاعدہ صحت کا ایک نظام بنی نوعِ انساں کو دیا ہے۔ پانچ وقت کی

---

*رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

نماز فرض کی تو اس میں بھی صحت کا پہلو رکھ دیا۔ یعنی نماز کی ادائیگی کے لیے قیام، رکوع اور سجود مسلمانوں کی جسمانی ورزش کا بھی سبب بن جاتے ہیں۔ جہاں تک ورزش کی بات ہے تو اطبا، حکما اور ڈاکٹرز ورزش کو صحت کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں پر فجر کی نماز فرض کی گئی، یعنی سورج نکلنے سے کافی پہلے مسلمانوں کا بیدار ہونا ضروری ہے۔ صبح کا موسم بڑا خوشگوار، تر و تازہ ہوتا ہے، اس وقت جاگنے اور نقل و حرکت کرنے سے جسم کو تازگی ملتی ہے اور کتنی ہی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد اپنے کھانے پینے سے فراغت کے بعد کام کاج کی اجازت دی گئی، دوپہر میں قیلولہ کے لیے کہا گیا تاکہ انسان تھوڑی دیر کے لیے سُستا لے، نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد پھر لوگ اپنی ضروریات سے جڑ سکتے ہیں خواہ وہ معاشی ہوں یا گھریلو۔ مغرب کی نماز تک اپنے کاموں کو سمیٹ کر اپنے گھر آجانا چاہئے۔ بیوی بچوں کے ساتھ رہنا چاہئے، کھانا وغیرہ کھانا چاہئے، عشا کی نماز کے بعد سو جانا چاہئے اور کسی طرح کے لہو و لعب میں نہیں پڑنا چاہئے تاکہ انسان اپنی پوری نیند لے سکے اور فجر میں نماز کے لیے اٹھ سکے۔ روزانہ کا یہ معمول بڑا راحت بخش ہے۔ اس میں نہ جسم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور نہ ذہن و دماغ پر۔ ایسا کر کے انسان پُرسکون زندگی گزار سکتا ہے؛ لیکن یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے معمولات کو بدل دیا۔ زیادہ تر مسلمان رات کو دیر میں سوتے ہیں، بہت سے لہو و لعب میں مشغول رہتے ہیں، جس کے سبب وہ علی الصباح بیدار نہیں ہو پاتے، بعض دن میں آٹھ بجے، بعض نو بجے اور بعض دس بجے اٹھتے ہیں۔ اس طرح نہ ہی ان کو نیچرل پوری نیند ملتی ہے اور نہ سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ دوپہر کے قیلولہ سے تو محروم ہوتے ہی ہیں، مسلسل رات کے بارہ ایک بجے تک جاگتے رہتے ہیں۔

صحت کے لیے کھانے میں احتیاط بھی لازمی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ کبھی کبھی کئی کئی وقت کے فاقے ہو جاتے تھے لیکن اس کے باوجود تندرست رہتے تھے۔ آج لوگ زیادہ لذیذ کھانے پسند کرتے ہیں۔ دعوتوں پر دعوتیں اڑاتے ہیں اور اتنا کھاتے ہیں کہ پیٹ پوری طرح سے تن جاتا ہے۔ مسلسل مرغن کھانوں کی عادت نے بڑی تعداد میں لوگوں کو نوع بہ نوع بیماریوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ زیادہ کھانے والے یا تو پیٹ کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا اگر کچھ لوگوں کا معدہ ہضم کر لیتا ہے تو وہ بے جا موٹے ہو جاتے ہیں، جسم پر چربی چڑھ جاتی ہے جس کے سبب کولسٹرول کی پریشانی ہونے لگتی ہے۔ کئی لوگ غیر محتاط کھانوں کی وجہ سے شوگر کے مریض ہو جاتے ہیں، وغیرہ۔ ایسے لوگوں کے لیے مسلسل ایک ماہ کے روزے بڑے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں، مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھنے سے موٹاپا کم ہو جاتا ہے، چربی پگھل جاتی ہے، کولسٹرول اور گیس کی شکایت بھی ختم یا کم ہو جاتی ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورے دن کچھ نہ

کھانے پینے کی کسر افطار سے لے کر سحری تک مرغن اور انواع واقسام کے کھانے کھا کر نکال لی جائے، آج کل یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگ افطار میں طرح طرح کے کھانے جمع کرتے ہیں، پھل اور مشروبات کا استعمال کرتے ہیں، اس کے بعد وقفہ وقفہ سے کھانے کا عمل جاری رکھتے ہیں، پھر سحری میں خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزے کے دوران جتنی چربی کم ہوتی ہے، اتنی پھر چڑھ جاتی ہے، اگر ماہ صیام کو اسی طرح سے گزارا جائے جس طرح اس کا تقاضہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گزارا کرتے تھے تو یقینا ایک ماہ میں صحت میں کافی بہتری آجائے گی۔

پورے مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ روزے دار اپنی زیادہ کھانے کی عادت کو توڑ سکتے ہیں یعنی ایک ماہ دن میں نہ کھا کر اور رات میں بہ قدر ضرورت کھا کر آگے زیادہ کھانے سے بہ آسانی پرہیز کر سکتے ہیں۔ اب اگر وہ کم کھانے یا سادہ کھانے کے عمل کو رمضان کے بعد بھی جاری رکھیں گے تو یقینا ان کا موٹاپا کم ہوجائے گا، پیٹ کے امراض بھی جاتے رہیں گے اور جو امراض سے محفوظ ہیں وہ بیماری سے محفوظ رہیں گے، اس بات سے سبھی کو اتفاق ہے کہ بہت سی بیماریاں زیادہ یا غیر محتاط کھانے سے پیدا ہوتی ہیں لیکن مسلمان یہاں بھی لاپرواہی کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنی ایک ماہ کی عبادت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے، کیونکہ وہ عید کے دن سے ہی خوب کھانے پر لگ جاتے ہیں، جس کے سبب رمضان میں ان کا جو وزن کم ہوتا ہے، وہ تو پورا ہو ہی جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کی کم کھانے کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے اور وہ اسی معمول پر لوٹ آتے ہیں جو غیر رمضان میں رہتا ہے۔

یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ انسان کے نظام ہضم کا بہت زیادہ تعلق لیور سے ہے۔ اگر لیور سسٹم صحیح ہے تو غذاؤں کے ہاضمہ میں دشواری نہیں ہوتی لیکن اگر ہاضمہ خراب ہوجائے تو پھر کھانا پینا نقصان دہ ثابت ہونے لگتا ہے۔ نظامِ ہضم اسی وقت درست رہے گا جب لیور سسٹم درست رہے گا اور لیور سسٹم کو درست رکھنے کے لیے کھانے میں احتیاط لازمی ہے۔ کیونکہ لیور بالعموم اسی وقت خراب ہوتا ہے جب کھانے میں بے احتیاطی کی جاتی ہے زیادہ یا مرغن کھانے لیور کی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اگر کسی پر اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ وزن ڈالا جائے گا تو وہ ضرور متاثر ہوگا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص پچاس کلو وزن لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن اگر اس پر ایک سو کلو وزن لاد دیا جائے اور کچھ دور اس کو چلنے پر مجبور کیا جائے تو یقینا یہ اس کے لیے بڑا مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ اتنے وزن کی وجہ سے اس کا پورا جسم متاثر ہوسکتا ہے اور اعصاب کمزور ہوسکتے ہیں۔ انسان کا دماغ سوچنے سمجھنے، کام کرنے کی اچھی خاصی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن اگر

کوئی دماغ سے مسلسل کئی دنوں تک کام لیتا رہے، نہ سوئے، نہ آرام کرے اور دماغی کام میں مصروف رہے تو دماغ کام کرنا چھوڑ دے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دماغ کسی بیماری کا شکار ہو جائے، بہت سے واقعات ایسے سامنے آئے ہیں کہ دماغ پر مسلسل دباؤ کی وجہ سے دماغ ہیمبرج ہو گیا۔ ایسا ہی لیور کا معاملہ ہے کہ اگر اس میں اس کی حیثیت سے زیادہ بھر لیا جائے یا دیر ہضم غذائیں کھائی جائیں تو لیور میں خرابی پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور اگر ایک مرتبہ لیور کا سسٹم خراب ہوتا ہے تو پھر اس کو اپنی جگہ پر لانا آسان کام نہیں ہوتا۔ نظامِ ہضم سے جڑے ہوئے اعضا میں آنتیں بھی ہیں جو کھانے کو پیسنے کا کام کرتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کو اتنا ہی کھانا پہنچایا جائے جن کو وہ آسانی سے پیس سکیں۔ زیادہ کھانا یا زیادہ روغن والا کھانا پیسنا ان کے لیے دقت و پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ آنتوں کو اس طور پر آرام دینا ضروری ہے کہ کبھی کبھی آدمی اتنا کم کھائے کہ نہ صرف آنتوں کو کھانا پیسنے میں آسانی ہو بلکہ ان کو آرام بھی ملے۔ ''روزہ'' لیور، آنتوں اور اُن تمام اعضا کو جو نظامِ ہضم سے وابستہ ہیں، آرام دینے کے لیے بڑا موثر عمل ہے۔

وہ لوگ جو بیڑی، سگریٹ اور حقہ وغیرہ پیتے ہیں اور پریشان رہتے ہیں، اپنی اس عادت کو اگر وہ چھوڑنا چاہیں تو رمضان المبارک ان کے لیے شاندار موقع ہے۔ کیوں کہ رمضان میں ان کو بیڑی، سگریٹ اور حقہ پینے کا بالعموم موقع نہیں مل پاتا۔ اب اگر وہ رمضان کے بعد دوبارہ انھیں نہ پینے کا عہد کرلیں اور اس پر عمل پیرا ہوں تو آسانی سے وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ بیڑی، سگریٹ اور حقہ پینے کی عادت بالکل غیر مناسب ہے اور یہ چیزیں صحت کے لیے بڑی نقصان دہ ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ان چیزوں سے بچنا چاہئے، لیکن اگر کسی کو غلط عادت پڑ گئی تو وہ رمضان کے ماہ کی مدد سے اسے چھوڑ سکتا ہے۔ آج کل لوگوں میں گٹکا بھی کھانے کا رواج عام ہو گیا ہے، خاص طور سے نئی نسل اس لت میں خطرناک حد تک گرفتار ہو گئی ہے۔ ماہ صیام میں نشہ آور اشیا کے عادی مسلمان نشے کی تمام عادتوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ کیونکہ صبح سے شام تک روزہ دار کسی بھی قسم کا کھانا نہیں کھاتا اور نہ کچھ پیتا ہے۔ افطار کے بعد وہ نماز مغرب ادا کرتا ہے، پھر کھانے وغیرہ سے فارغ ہوتا ہے تو عشاء کا وقت ہو جاتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد چلا جاتا ہے، وہاں وہ نمازِ تراویح بھی پڑھتا ہے۔ نماز عشاء اور نماز تراویح میں مجموعی طور پر ڈیڑھ دو گھنٹے کا وقت لگتا ہے۔ اس دوران وہ کچھ تھکاوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور نیند کا خمار بھی اس پر چھانے لگتا ہے۔ اس کے بعد وہ سوتا ہے، تو آنکھ سحری میں کھلتی ہے اور وہ وقت سحری کھانے کا ہوتا ہے، سحری میں کچھ کھا کر فارغ ہوتے ہی ہیں کہ سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور فجر کی اذان ہونے لگتی ہے۔ گویا کہ اگر دیکھا جائے تو چوبیس گھنٹے میں بیڑی، سگریٹ پینے، گٹکا کھانے یا کسی دوسری نشہ آور اشیا کا استعمال کرنے کا کوئی

وقت اور موقع نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص ایک ماہ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے دور رہے گا تو یقیناً اس کی بیڑی سگریٹ پینے، تمباکو کھانے، شراب پینے یا کسی اور قسم کے نشہ کرنے کی عادت آسانی سے چھوٹ جائے گی، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ رمضان میں بھی بیڑی، سگریٹ پینے، گٹکا کھانے کا وقت اور موقع زبردستی نکال لیتے ہیں، اس طرح وہ رمضان میں بھی کسی نہ کسی درجے میں ان چیزوں سے جڑے رہتے ہیں اور جیسے ہی رمضان ختم ہوتا ہے، وہ شدت کے ساتھ بیڑی، سگریٹ پینے، گٹکا، تمباکو کھانے میں لگ جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ اپنی بری عادتوں سے نجات کا موقع گنوا دیتے ہیں۔

یہ بات جگ ظاہر ہے کہ منشیات کا استعمال ہر سال ہزاروں افراد کی جان لے رہا ہے۔ منشیات کا استعمال نہ صرف پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں شدت کے ساتھ ہو رہا ہے بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی ہو رہا ہے اور اس کے خطرناک نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ مثلاً امریکہ جو اس وقت ترقی یافتہ ممالک میں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے، وہاں ہر سال منشیات کے استعمال سے ۴/لاکھ 38 ہزار لوگ لقمۂ اجل بنتے ہیں۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ او کی رپورٹ کے مطابق ہر سال چھ ملین لوگ تمباکو کے استعمال کی وجہ سے مر جاتے ہیں اور ڈھائی ملین افراد الکحل کے استعمال سے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ تجزیہ کاروں کا یہ بھی خدشہ ہے کہ اگر منشیات کے استعمال میں کمی واقع نہ ہوئی تو 2020 تک منشیات کے استعمال سے مرنے والوں کی شرح اموات عالمی سطح پر ساڑھے سات ملین تک پہنچ جائے گی۔ منشیات کا استعمال کرنے والوں اور منشیات کے استعمال کے سبب مرنے والوں اور مہلک امراض میں مبتلا ہونے والوں میں خاصی بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ اچھے خاصے مسلمان منشیات کی لت میں ملوث ہیں جب کہ ان کا مذہب انھیں منشیات کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ منشیات کے دلدل سے فوری طور پر باہر آئیں۔ اگر وہ اس دلدل سے باہر آنے کی ٹھان لیں تو یہ ماہِ صیام ان کے لیے بڑا معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ پورے رمضان کے روزے رکھیں اور رمضان کو اس طرح گزاریں جس طرح گزارا جانا چاہئے۔ ماہ صیام میں وہ کسی بھی طرح کی نشہ آور اشیا کا استعمال نہ کریں اور اپنے دل میں یہ بھی ارادہ رکھیں کہ رمضان کے بعد بھی وہ اس سے گریز کریں گے۔ انشاء اللہ اس ماہِ صیام کے توسط سے ہی مسلمانوں کے درمیان سے منشیات کا استعمال ختم ہو جائے گا۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ہمیں ماہِ صیام جیسا مہینہ عطا کیا جو ہمارے لیے اخروی فوائد تو رکھتا ہی ہے لیکن بہت سے دنیوی فائدے بھی لے کر آتا ہے جس میں بہت سے فائدے صحت سے جڑے ہوئے ہیں۔ باری تعالیٰ ہم سب کے دل میں رمضان المبارک کی عظمت کو بٹھا دے اور اس سے ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشۂ رمضان

ماہ رمضان اور ہمارا طرزِ عمل

از: مفتی محمد عبدالحمید قاسمی کریم نگری*

"رمضان المبارک" اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے جو نیکیوں کا موسم اور خصوصی انعامات کا زمانہ ہے اللہ رب العزت نے اس امت کو خاص تحفہ عطا کیا ہے، قرآن واحادیث میں اس کے اتنے فضائل موجود ہیں کہ ہر خاص وعام اس سے واقف ہے اس مہینہ میں طاعات وعبادت کا ثواب بہت زیادہ ہوجاتا ہے چنانچہ ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر کردیا جاتا ہے، رمضان برکتوں والا مہینہ ہے، اس ماہ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مقدس کا نزول اسی پاک مہینے میں ہوا، رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرہ عشرہ جہنم کی آگ سے نجات کا ہے، رمضان میں خیر کے کاموں کی توفیق ہوتی ہے رمضان میں پیغمبر علیہ السلام کا جود وکرم بڑھ جاتا تھا اور آپ ﷺ ہر سائل کی مراد پوری فرماتے تھے۔

رمضان کی فضیلت قرآن کریم کی روشنی میں

رمضان میں روزہ کی فرضیت اور مقصد بتاتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۸۳﴾ (البقرہ)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جیسے تم سے پہلی اُمتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے، تم پر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہوجائے۔

روزہ اسلام سے پہلے بھی بعض اُمتوں پر فرض رہا ہے اور یہودیوں کا روزہ تو مشہور ہی ہے، اسلام میں روزہ مرحلہ وار فرض ہوا، پہلے صرف یوم عاشوراء کا روزہ فرض تھا، (بخاری، باب وجوب صوم رمضان، حدیث نمبر:1892) بعد کو پورے ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو یومِ عاشوراء کے روزہ کی فرضیت باقی نہ رہی، اس آیت میں رمضان المبارک کے روزوں کا ذکر ہے، جو ہجرت کے دوسرے سال فرض کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری:1/189)

رمضان کے روزہ کا مقصد نفس کی تربیت ہے کہ آدمی کے اندر ضبط کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچا سکے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط ترجمہ:- ماہِ رمضان ہی ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ہے، ہدایت کی واضح دلیلوں پر مشتمل اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے، پس تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پائے، وہ اس ماہ کا روزہ ضرور ہی رکھے۔ (سورۂ بقرہ:۱۸۵)

رمضان کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی فرضیت اور رمضان کی برکات کے اثر کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں" اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور سرکش شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں، اس میں اللہ کی (جانب سے) ایک ایسی رات (رکھی گئی) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس کے خیر سے محروم رہا، وہ محروم ہی رہا۔" (مشکوٰۃ)

اسی طرح ایک جگہ رمضان کی ناقدری کرنے والے پر حدیث شریف میں وعید بیان فرمائی:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دعا کی کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کو رمضان کا مہینہ ملے اور وہ اپنی بخشش نہ کروا سکے، جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا آمین! حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ دعا اور اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آمین کہنا، اس سے ہمیں رمضان کی اہمیت کو سمجھ لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ روزہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے اور وہ عظیم فریضہ ہے جس کو رب ذوالجلال نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اور اجر بغیر کسی واسطہ کے بذات خود روزہ دار کو عنایت فرمائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کا تعارفی اور استقبالی خطبہ دیا چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ دیا، اس میں فرمایا: "اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت والا، بڑا بابرکت مہینہ آ رہا ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے، اور اس کے قیام (تراویح) کو نفل (یعنی سنتِ مؤکدہ) بنایا ہے، جو شخص اس میں کسی بھلائی (نفلی کام) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرے، وہ ایسا ہے کہ کسی نے غیر رمضان میں فرض ادا کیا،

اور جس نے اس میں فرض ادا کیا، وہ ایسا ہے کہ کسی نے غیر رمضان میں ستر 70 فرض ادا کئے، یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب جنت ہے، اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے، اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، اور جس نے اس میں کسی روزہ دار کا روزہ اِفطار کرایا تو وہ اس کے لئے اس کے گناہوں کی بخشش اور دوزخ سے اس کی نجات کا ذریعہ ہے، اور اس کو بھی روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، مگر روزہ دار کے ثواب میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو تو وہ چیز میسر نہیں جس سے روزہ اِفطار کرائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جس نے پانی سے یا دُودھ کے گھونٹ سے، یا ایک کھجور سے روزہ اِفطار کرادیا، اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا یا پلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (کوثر) سے پلائیں گے جس کے بعد وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا، یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوجائے (اور جنت میں بھوک پیاس کا سوال ہی نہیں)، یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ رحمت، درمیانی حصہ بخشش اور آخری حصہ دوزخ سے آزادی (کا) ہے۔ اور جس نے اس مہینے میں اپنے غلام (اور نوکر) کا کام ہلکا کیا، اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائیں گے، اور اسے دوزخ سے آزاد کردیں گے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو! (صحیح بخاری)

اسی طرح ایک جگہ رمضان و تراویح اور شب قدر کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے رمضان (کی راتوں میں) ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا (تراویح اور نفل میں مشغول رہا) اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ ثواب سمجھتے ہوئے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

بہرحال! مسلمان اس مہینہ میں کچھ نہ کچھ نیکیوں کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح کسی زمانہ میں یا کسی جگہ میں عبادات و طاعات کا ثواب بڑھ جاتا ہے تو ایسے ہی اگر اس زمانہ یا اس جگہ میں کوئی گناہ کیا جائے تو اس کے وبال اور عتاب میں بھی شدت آجاتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ جہاں وہ عبادات میں اہتمام اور زیادتی کرے وہیں غیر شرعی اور ناپسندیدہ کاموں سے بچے اور احتیاط کرے، اسی سلسلے میں چند باتیں درج کی جاتی ہیں جن سے بچنے کی ضرورت ہے۔

ماہ رمضان میں ہونے والی چند کوتاہیاں

✷ تراویح اور ختم قرآن شریف یہ دو الگ الگ اور مستقل سنتیں ہیں مگر ایک قرآن شبینہ یا دہے میں سن کر باقی ایام کی تراویح کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا تراویح ہی ادا نہیں کی جاتی یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

✷ بغیر کسی عذر کے گھر یا دکان میں تراویح پڑھنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے تراویح کی نماز مسجد میں پڑھنا سنت ہے لہذا سنت کے ترک کرنے کی وجہ سے مسنون تراویح کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔

✷ **شبینہ:** موجودہ دور میں شبینہ کا رواج عام ہوتا جارہا ہے جس میں پڑھنے والے حفاظ اور سامعین سب ایک ساتھ شریک نہیں ہوتے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں جب پہلی رکعت کا رکوع ہوتا ہے جھٹ نیت باندھ کر شریک ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ شبینہ میں شرکت کر کے تراویح کی چھٹی ہی کر دیتے ہیں بہرحال اس طریقہ کا شبینہ جو کئی برائیوں کو شامل ہے قطعاً درست نہیں ہے۔

✷ **روزہ کشائی کی تقریب:** جس میں نابالغ بچوں کو روزہ رکھوا کر لوگوں کی دعوتیں کی جاتی ہیں بعض دفعہ قرض لے کر یہ تقریب منعقد کی جاتی ہے ہدیہ اور تحائف کے لین دین کو ضروری قرار دیا جاتا ہے نیز اس موقع پر بہت سوں کی مغرب کی نماز چلی جاتی ہے بے پردگی، فضول خرچی، اور ویڈیو گرافی جیسے ناجائز اور حرام کام ہوتے ہیں، لہذا اس رسم کو ترک کرنا ضروری ہے۔

✷ **افطار پارٹی:** کسی روزہ دار کو افطار کرانا بہت بڑا ثواب ہے مگر یہ افطار کرانا ریا و نمود، دکھاوا اور شان کے لئے نہ ہو افطار کے نام پر فضول خرچی نہ ہو عموماً یہاں بھی دیکھنے میں یہ چیز آتی ہے کہ کھانے پینے میں مغرب کی جماعت چلی جاتی ہے یا نماز ہی فوت ہوجاتی ہے۔

✷ **نماز سے غفلت:** ابتدا میں نمازوں کا اہتمام ہوتا ہے اور چند دن گزرنے کے بعد سحری کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے فجر کی نماز پھر، سستی اور تھکاوٹ کی وجہ سے ظہر کی نماز، افطاری کی تیاری کے لئے عصر کی نماز، افطاری کھانے میں مغرب کی نماز چھوڑ دی جاتی ہے۔ جبکہ نماز فرض ہے اور رمضان میں چھوڑنا دوہرے گناہ کا باعث ہے۔

✷ **روزہ کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا:** بعض لوگ روزہ تو رکھتے ہیں مگر روزہ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے جھوٹ، چغل خوری، غیبت، دھوکہ، خیانت، ٹائم پاس اور وقت کو ضائع کرنے کے لئے ٹی وی دیکھنا، گانے سننا، انٹرنیٹ اور فون کا بیجا استعمال کرنا، کرکٹ کھیلنا، کیارم بورڈ اور شطرنج کھیلنا، لڑائی جھگڑا کرنا، شراب پینا

جوا کھیلنا، بدنگاہی اور بے پردگی کرنا، لایعنی باتیں کرنا (جس میں نہ دنیا کا فائدہ ہو نہ آخرت کا فائدہ ہو) بہرحال تمام ظاہری وروحانی بیماریوں سے بچنا بھی ضروری ہے کیوں کہ روزہ کا مقصد جو تقوی ہے اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب روزہ کے تقاضوں کو پورا کیا جائے ورنہ بھوک پیاس کے علاوہ اس کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

✷ **شاپنگ**: رمضان کا مہینہ اس قدر مبارک اور مقدس ہے کہ اس کی قدردانی اور تیاری کے لئے پہلے ہی سے ایک نظام الاوقات اور ٹائم ٹیبل بنایا جائے تا کہ ایک لمحہ بھی بے کار اور ضائع نہ ہو مگر افسوس کے شاپنگ کے لئے بازار اور مارکیٹ کا رخ کیا جاتا ہے خصوصاً آخری عشرہ جو عبادتوں میں اضافہ کرنے اور شب قدر کو تلاش کرنے میں لگانا چاہیئے، بے کار وقت ضائع کردیا جاتا ہے، جس میں زیادہ تر تعداد خواتین کی ہوتی ہے جب کہ اس مہینہ کی قدر تو یہ تھی کہ ان ساری چیزوں کی فکر پہلے سے ہوتا کہ یہ مبارک لمحات ہماری عبادتوں میں گزرے اس لئے شاپنگ رمضان سے پہلے ہی کرلی جائے یا رمضان میں ہی کرنی پڑے تو ایسے وقت کریں کہ کوئی نماز چھوٹنے نہ پائے۔

✷ **افطاری کی تیاری کرنا**: خواتین عصر سے پہلے یا عصر کے بعد یہاں تک کہ مغرب کا وقت آجاتا ہے کھانا پکانے اور مختلف قسم کی چیزوں کے بنانے میں اپنا وقت مطبخ میں گزاردیتی ہیں جبکہ مغرب کی نماز سے پہلے کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور روزہ دار اگر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرماتے۔

خلاصہ یہ کہ اکثر لوگ اس بابرکت ماہینے کی فضیلتوں سے ناواقف اور بے خبر ہونے کی وجہ سے اُس ے بھی دوسرے مہینوں کی طرح گزاردیتے ہیں لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ماہ رمضان کے ایک ایک لمحہ کو اس کے تقاضوں یعنی قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت، نماز، روزہ تسبیح، ذکر اللہ اور صدقات وخیرات کا اہتمام، لایعنی باتوں اور کاموں سے پرہیز شرک وکفر، بدعات وخرافات، رسم ورواج اور تمام غیر شرعی فعل سے اجتناب، اور ہر گناہ سے سے پرہیز اور مذکورہ بالا تمام کوتاہیوں سے احتراز کے ساتھ مکمل قدردانی کرتے ہوئے اوقات گزاریں، کیا پتہ؟ پھر ماہ رمضان ملے یا نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی تمام برکتوں اور سعادتوں کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

گوشۂ رمضان

یومیہ ترتیب اعمالِ رمضان

(برائے سالکین و عامۂ مسلمین)

حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ

ماہِ رمضان المبارک کی قیمتی ساعات حق تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے، اس کی صحیح قدردانی وشکرگذاری یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی جان کر اپنے آپ کو سراپا عبادت و ریاضت میں مشغول رکھے، یہی سنتِ نبوی ہے، اسی کی اتباع کی میں مدیر محترم نے سالکینِ راہِ حق وعامۂ مسلمین کے لئے "یومیہ ترتیب اعمالِ رمضان" مرتّب فرمایا۔ ادارہ قارئین اشرف الجرائد کو ماہِ رمضان کی پر خلوص مبارکباد کے ساتھ یہ "تحفۂ رمضان" اُن کی خدمت میں پیش کررہا ہے، اس امید پر کہ ماہِ مبارک میں اُنھیں اس کے مطابق اپنے اوقات صرف کرنے میں سہولت ہوگی۔

ادارہ

قبل نمازِ فجر

نمازِ تہجد کا اہتمام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے اوپر تہجد کی نماز لازم کرلو، تم سے قبل بھی نیک لوگوں کا یہی معمول تھا۔ (ترمذی: ۵/ ۵۱۶)

استغفار کا اہتمام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کے پچھلے حصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تاکہ میں اس کی مغفرت کروں؟ (مسلم: ۱/ ۷ ۵۳)

سحری کھانا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سحری کھایا کرو، بے شک اس میں بہت برکت ہے۔ (بخاری: ۳/ ۷۳)

سنت فجر کی ادائیگی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فجر سے قبل دو رکعت سنت پڑھنا دنیا ومافیھا سے بہتر ہے۔ (مسلم: ۱/ ۵۰۱)

نوٹ: عورتیں ان اعمال کو مختصر کر کے سحری تیار کرنے میں اس طرح لگ جائیں کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں روزہ داروں کی خدمت کا اجر حاصل کر رہی ہوں اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری رہے۔

نمازِ فجر تا نمازِ ظہر

مسجد جلد پہونچنے کا اہتمام: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگ اگر عشاء اور فجر کی حاضری کی اہمیت جان لیتے تو دوڑ کے حاضر ہوتے خواہ انہیں گھسٹتے ہوئے آنا پڑے۔ (بخاری: ۱/ ۲۹۴)

جماعت تک ذکر و دعا میں مشغولی: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذان واقامت کے درمیان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ (مسند احمد: ۴/ ۲۴۰)

نماز کے بعد اشراق تک ذکر و تلاوت میں مشغولی: نبی کریم ﷺ کا معمول تھا: جب فجر کی نماز سے فارغ ہوجاتے تو سورج اچھی طرح روشن ہونے تک اسی جگہ چوزانو بیٹھے رہتے تھے۔ (مسلم: ۱/ ۴۸۰)

نمازِ اشرق: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر کے بعد سورج نکلنے تک ذکر میں مشغول رہے، پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ لے تو اس کو ایک کامل حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی: ۳/ ۴۸۰)

تھوڑی دیر آرام: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے (کہ اُسے آرام پہونچاؤ)۔ (بخاری: ۳/ ۹۰)

تعلیمی یا کاروباری مشغولیت: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ روزی نہیں کھاتا۔ (بخاری: ۴/ ۳۰۳)

خالی اوقات میں ذکر کا اہتمام: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تروتازہ رکھا کرو۔ (ابنِ ماجہ: ۲/ ۲۴۶)

نوٹ: عورتیں اپنے گھر کے کام کاج اور بچوں کی خدمت وتربیت میں اس نیت سے لگی رہیں کہ مخلوق کی خدمت افضل ترین عبادت ہے۔

نمازِ ظہر تا نمازِ عصر

ظہر باجماعت کی ادائیگی: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ پڑھی گئی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔ (بخاری: ۲/ ۱۳۱)

سنن قبلیہ وبعدیہ کا اہتمام: نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے قبل چار اور ظہر کے بعد دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ (ترمذی: ۱/ ۴۳۴)

کام میں مشغولیت یا آرام: (اپنی اپنی مصلحت وضرورت کے حساب سے) عورتیں اگر پاک ہوں تو تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں ورنہ ذکراللہ، دینی کتب کے مطالعہ اور درود شریف میں مصروف ہیں۔

نماز عصر تا مغرب

اذان کیساتھ مسجد پہونچیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اچھی طرح وضو کر کے اپنے گھر سے مسجد کو جائے تو وہ اللہ کا مہمان ہے، میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ (طبرانی:۶/۳۱۱)

سنت ادا کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اپنے اس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے قبل چار رکعت کا اہتمام کرے۔ (ترمذی:۱/۴۳۸)

فرض کے بعد کتابی تعلیم میں شرکت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد اس غرض سے جائے کہ دین کی کوئی بات سیکھے گا یا کسی کو سکھائے گا تو اس کو ایک کامل حج کا ثواب ملے گا۔ (طبرانی:۸/۱۱۲)

افطار کا انتظام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ خانگی کاموں میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے (بخاری:۳/۸۵)

افطار سے قبل دعا کا اہتمام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ (ترمذی :۵/۵۳۹) افطار کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ دار کو ایک خوشی دی جاتی ہے۔ (بخاری:۳/۶۷)

بروقت افطار کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت خیر پر قائم رہے گی جب تک افطار میں تاخیر نہ کرے گی۔ (بخاری:۳/۸۵)

مغرب تا تراویح:

تکبیرِ اولیٰ کیساتھ نماز کا اہتمام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت خیر پر قائم رہے گی جب تک کہ وہ نمازِ مغرب میں تاخیر نہ کرے گی۔ (ابوداؤد:۱/۲۹۱)

اوابین کا اہتمام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مغرب کے بعد فضول بات کئے بغیر چھ رکعت نفل پڑھے گا اس کو بارہ سال عبادت کا اجر ملے گا۔ (ابن ماجہ:۱/۴۳۷)

مختصر کتابی تعلیم اور عشائیہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کا اکرام کرو اور ان کی اچھی تعلیم وتربیت کرو۔ (ابن ماجہ:۱/۲۱۴)

نمازِ عشاء کی ادائیگی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نمازِ عشاء باجماعت ادا کرے اس کو نصف شب عبادت کا اجر ملتا ہے۔ (ترمذی:۱/۲۶۰)

نمازِ تراویح کی ادائیگی: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام کرے اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(بخاری:۳/۱۰۰)

گھر واپسی اور آرام: نبی کریم ﷺ عشاء سے قبل سونے اور عشاء کی بعد بلاضرورت مجلس جمانے سے منع فرماتے تھے۔(بخاری:۱/۲۹۵)

ان امور کی پابندی کے علاوہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ

۱۔زکوٰۃ فرض ہے تو اس کی ادائیگی حساب کتاب کے ساتھ کرے، ورنہ نفلی صدقہ وخیرات حسبِ حیثیت کرتا رہے۔

۲۔ جس قدر ہوسکے رضائے الٰہی کی نیت کے ساتھ تلاوتِ کلام پاک کا اہتمام کرے۔

۳۔ چلتے پھرتے ذکر اللہ اور درود شریف کی کثرت رکھے۔

۴۔ جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح، سورۂ کہف، اور درود شریف کی کثرت کا اہتمام کرے۔

۵۔ رشتہ داروں اور غرباء ومساکین کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

۶۔ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف، یا کم از کم طاق راتوں میں زائد عبادات کے ذریعہ شب قدر کو پانے کی کوشش کرے۔

۷۔ فضول کاموں بالخصوص بازاروں میں وقت گذارنے سے سختی سے پرہیز کرے۔

۸۔ زبان، آنکھ، کان، اور تمام اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

۹۔ عید کے دن صدقہ فطر ادا کرنا نہ بھولے۔

اصلاحِ معاشرہ

طلاق ایک ناگوار وقتی ضرورت

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

تیسری ہدایت: جب وعظ ونصیحت کارگر نہ ہو اور افہام وتفہیم کی راہ مسدود ہو جائے اور میاں، بیوی کے مابین تنازع ختم نہ ہو تو آخری چارۂ کار کے طور پر دونوں جانب سے دونوں کے سرپرستوں اور ذمہ داروں کو بُلا کر مصالحت کرانے اور باہمی تناؤ کو دفع کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ خوش گوار ماحول میں تصفیہ ہو جائے اور دونوں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان کدورت ونفرت پیدا نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ۝۳۵

(اے مرد وعورت کے اولیاء وسرپرستو!) اگر تم لوگ ان دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ کرو تو تم لوگ مرد کے افرادِ خاندان سے ایک حَکَم اور عورت کے افرادِ خاندان سے ایک فیصل بھیجو (جو مرد وعورت کی جانب سے صلح وصفائی اور طلاق وخلع کا مکمل اختیار رکھتا ہو) اگر میاں بیوی دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ جل شانہٗ ان کے درمیان موافقت پیدا فرمادیں گے (اور نباہ کی کوئی سبیل ضرور ظاہر فرمادیں گے) بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باریک سے باریک چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیتِ شریفہ میں زوجین کے اولیاء کو ان دونوں کی چپقلش دور کرنے اور ان کے اختلافات کو حل کرکے صلح وصفائی کی صورت نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ صاحبِ تفسیر ابن کثیر نے سیدنا حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ان کے پاس ایک خاتون اور اس کا شوہر آئے، دونوں کے ساتھ لوگوں کی جماعت تھی تو حضرت علیؓ

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک حکم کو نکالا اور فرمایا کہ تم دونوں جانتے ہو کہ تم دونوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ بے شک تم دونوں! اگر یہ گمان کرو کہ دونوں میں موافقت پیدا ہوسکتی ہے اور رنجش کافور ہوسکتی ہے تو ایسا کرلو، بیوی نے کہا میں اللہ کی کتاب سے راضی ہوں خواہ وہ حکم میرے لئے سہولت بخش ہو یا بارِ گراں، شوہر نے کہا میں فرقت اور جدائیگی سے راضی نہیں ہوں، امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم کتاب اللہ پر راضی ہوجاؤ۔

سوال یہ ہے کہ کتاب اللہ کا فیصلہ کیا ہے؟ جس پر شوہر کو راضی ہونے آمادہ کیا گیا ہے تو وہ وہی فیصلہ ہے جو مرد وعورت کے حَکَم جاری کریں گے، اگر نفرت وکدورت کے تلخی کو دور کرکے الفت ومحبت کا رَس گھولنا ممکن ہو تو دونوں کو جمع کردیں گے ورنہ اگر نشوز ونافرمانی مرد کی طرف سے ہو تو مرد کو طلاق دینے پر آمادہ کریں گے اور نشوز ونافرمانی عورت کی طرف سے ہو تو اُسے خلع لینے پر راضی کریں گے۔

بہرحال! یہ تو معلوم ہوگیا کہ طلاق ابھی بھی نہیں دی جائے گی بلکہ حتی المقدور ابقاءِ نکاح کی کوشش کی جائے گی بصورتِ دگر طلاق یا خلع ہوگا۔

چوتھی ہدایت: بہرحال تمام تدبیریں اور ترکیبیں ناکام ہوجائیں یا ناگہانی طلاق کی کوئی ضرورت پیش آجائے اور طلاق دینی پڑ جائے تو شریعت اسلامیہ نے اس سمت میں ایسی بے نظیر رہنمائی کی ہے جو کسی مذہب اور دھرم میں نہیں ہے نیز اس میں بھی شریعت نے رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے کے امکانی حدود کو ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ طلاق دینے کے وقت چند امور کے لحاظ کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

(الف) طلاق دیتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ عورت پاکی کی حالت میں ہو اگر وہ حیض اور ناپاکی کی حالت میں تو ہرگز طلاق دینا نہیں چاہیئے، ایسی حالت میں طلاق دینے سے معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی جب کہ وہ حائضہ تھیں، حضرت عمر بن الخطابؓ نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ عبد اللہؓ کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کو نکاح میں واپس لے آئے (مراجعت کرلے) پھر اس کو نکاح میں روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے پھر حیض آئے اور پاک ہوجائے پھر اس کے بعد اگر چاہے تو نکاح میں روکے رکھے اور اگر چاہے تو جماع سے قبل طلاق دے دے، یہی وہ عدت ہے جس کے موافق اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث شریف سے صاف صاف معلوم ہورہا ہے کہ عورتوں کو حالتِ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے،

پاکی کا انتظار کرنا چاہیئے۔

(ب) اس حدیث شریف سے دوسرا حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق صرف ایک عدد رجعی دینی چاہیئے، یہی احسن اور افضل ہے، جیسا کہ اس آیتِ شریفہ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو ان کو عدت کے موافق (طہر میں) طلاق دو، کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ اس میں ایک طلاق رجعی مراد ہے، اس لئے کہ اگلی آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا: فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ کہ جب وہ مطلقہ عورتیں اپنی عدت (کی تکمیل) کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو حسن وخوبی کے ساتھ علاحدہ کردو، ظاہر ہے کہ عدت کے مکمل ہونے سے قبل نکاح میں واپس لے آنا طلاق رجعی ہی میں ہوتا ہے، خواہ ایک طلاق رجعی ہو یا دو طلاق رجعی ہو، لیکن حصول مقصد کے لئے ایک طلاق کافی ہے لہذا وہی آیت میں مراد ہے۔ (تفسیر قرطبی بتغیر وتوضیح)

(ج) تیسری چیز جس کا طلاق دیتے وقت خیال رکھنا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو ایسی پاکی اور طہر میں طلاق دے جس میں ہم صحبت ہونے کا اتفاق نہ ہوا ہو جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں یہ بات گذر چکی ہے۔

اگر اُس طہر میں طلاق دی جائے جس میں عورت کے ساتھ صحبت ہوئی ہو تو وہ طلاق بدعی کہلائے گی، یعنی وہ ایسی طلاق ہوگی جو کتاب وسنت سے ثابت شدہ طریقۂ ایقاع کے خلاف ہے۔

(د) چوتھی چیز طلاق دیتے وقت جس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس طہر میں طلاق دی جارہی ہے اس طہر سے قبل حالتِ حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مراجعت کے بعد حیض آجائے پھر پاک ہو پھر حیض جاری ہو پھر پاکی حاصل ہوجائے پھر تم طلاق دینا چاہو تو طلاق دے سکتے ہو، معلوم ہوا کہ وہ طہر جس میں طلاق دی جاری ہے اس سے قبل حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو، ورنہ یہ طلاق بھی خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے طلاقِ بدعی کہلائے گی۔

(ہ) پانچویں چیز یہ ہے کہ عورت اگر حمل سے ہے تو حاملہ عورت کے حق میں سنت کی رعایت صرف عدد طلاق میں ہوگی اور ایک طلاق دینا، طلاقِ سنت کہلائیگی، اس کے حق میں سنت وقت کا لحاظ یعنی پاکی کی رعایت کا کوئی معنی نہیں ہوگا جیسا کہ نابالغہ، آئسہ اور غیر مدخول بھا کے حق میں وقت کے اعتبار سے طلاقِ سنت کی رعایت نہیں ہوتی ہے، یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے جو دوسرے طریق سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیا تو حضرت عمرؓ نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو فرمایا: عبداللہؓ کو کہو کہ بیوی کو نکاح میں واپس لے آئیں یعنی رجوع

کرلیں (پھر جی چاہے) تو پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔(متفق علیہ)

(و) طلاق سنت کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جس پاکی میں عورت کو طلاق دی گئی ہو اس پاکی میں دوسری طلاق نہ دی جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ایک طہر میں ایک طلاق ہی دیئے جانے کا ذکر ہے، اس طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے آیت شریفہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی تفسیر میں منقول ہے کہ عورت کو اس طہر میں ایک طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو۔معلوم ہوا کہ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاق نہ دی جائے۔

'الف' سے لے کر' و ' تک کے تمام احکام مدخول بہا یعنی ایسی عورتوں کے واسطے ہیں جن سے شوہروں نے صحبت کی ہو۔

(ز) اور ایسی عورتیں جن سے شوہروں نے ہم بستری نہ کی ہو ان کے لئے طلاقِ سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دی جائے خواہ وہ حیض میں ہو یا پاکی میں ہو، ایسی عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ اس کے حق میں عدت نہیں ہے کہ عدت مکمل کرنے میں کوئی ضرر اور نقصان ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾ (سورۂ احزاب)

اے ایمان والو جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے (جماع) قبل طلاق دے دو تو ان عورتوں پر تمہارے واسطے کوئی عدت نہیں ہے جس کو وہ شمار کریں گی، پھر ان کو متعہ دو اور عمدگی کے ساتھ چھوڑ دو۔

(ح) ایک طلاقِ رجعی دینے کا حکم اس عورت کے لئے ہے جس سے شوہر نے ہمبستری کی ہو پھر وہ مطلقہ عورت اگر حائضہ ہے تو تین حیض عدت گذارے گی اور اگر حیض والی نہیں ہے جیسے بہت بوڑھی ہے یا کسی وجہ سے ماہواری نہیں آتی ہے تو تین مہینے عدت گذارے گی اور اگر مطلقہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل یعنی ولادت ہو جانا ہے۔(سورۂ طلاق:۴) اس عدت کے دوران اگر شوہر نکاح میں واپس لانا چاہے تو منہ سے بول کر یا عملی طور پر جماع کر کے بھی مراجعت کرسکتا ہے، اور اگر عدت گذر گئی پھر دونوں نکاح کرنا چاہتے ہیں تو جدید نکاح اور مہر کے ذریعہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوسکتے ہیں، اس لئے شریعت نے ایک طلاقِ رجعی سنت کے مطابق واقع کرنے کا حکم دیا ہے۔(سورۂ بقرہ:۲۳۱، ۲۳۲) اگر مطلقہ عورت ایسی ہے جس سے شوہر نے صحبت

نہیں کی ہے تو ایک طلاق سے ہی وہ نکاح سے مکمل طور پر جدا ہو جاتی ہے، پھر نکاح کا ارادہ ہو تو نکاحِ جدید کرنا ہوگا۔

پانچویں ہدایت: شریعت کی جانب سے پانچویں ہدایت یہ ہے کہ طلاقِ بدعی نہ دی جائے جو حرام ہے، شریعت نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتایا ہے، اس کے خلاف طلاق دینا طلاق بدعی کہلاتا ہے، جیسے یکبارگی دو یا تین طلاق دینا یا ایک طہر میں دو طلاق دینا وغیرہ کئی صورتیں ہیں، اس طرح کی طلاق دینے سے اجتناب کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔۔۔ بالخصوص تین طلاق دینے سے گریز کرنا چاہیئے کیوں کہ طلاق کی حد ۲ ہیں جیسا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (کہ طلاق دو ہیں پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا حسن وخوبی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے) میں واضح کیا گیا ہے، کوئی مرد تین طلاق دیتا ہے تو وہ شریعت کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، جو حماقت اور بے عقلی ہے۔۔۔ حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مرد کے بارے میں اطلاع دی گئی جس نے اپنی عورت کو ایک ساتھ تین طلاق دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوگئے پھر فرمایا " أیلعب بکتاب الله وانا بین اظھرکم " کیا اللہ کی کتاب سے کھیل کیا جارہا ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں اس کو قتل کر دوں (نسائی شریف)

حضرت مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس تھا، ایک شخص آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے، مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ خاموش ہو رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اس کی بیوی کو اس کے پاس لوٹا دیں گے، لیکن پھر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی حماقت اور بے وقوفی پر سوار ہوتا ہے، پھر اے ابن عباسؓ! اے ابن عباسؓ کہتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ کہ جو شخص اللہ سے خوف کھائے گا اللہ اس کے لئے (مشکل سے) باہر نکلنے کی کوئی سبیل بنا دے گا، اور اے سائل! تو اللہ سے نہیں ڈرا، میں تیرے لئے کوئی سبیل نہیں پاتا ہوں، تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ۔(ابوداؤد)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق دینا اللہ جل شانہ کی معصیت ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ نیز اس سے عورت مرد سے کلیۃً جدا ہوجاتی ہے، لہذا ہرگز ہرگز تین طلاق دینا نہیں چاہیئے، اور آج ہمارا معاشرہ اسی وباء اور گناہ میں ملوث ہے۔

چھٹی ہدایت: چھٹی ہدایت ہے کہ مطلقہ عورت مقام طلاق پر عدت گذارے اور عموماً طلاق کی نوبت شوہر کے پاس آتی ہے لہذا عدت بھی وہیں گذارنی چاہیئے، جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں، ایک حکمت یہ ہے کہ

مرد وعورت ایک ہی گھر میں رہ کر طویل مدت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں رہ سکتے، یقینا اس دوران دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا، اور مصالحت ومراجعت کی جانب مائل بلکہ آمادہ ہوجائیں گے، بالخصوص جب کہ اولاد بھی ہوں کیوں کہ دونوں کو ان کے مستقبل کی فکریں دامن گیر ہوں گی، اس لئے اپنے شوہر کے گھر میں عدت گذارنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (سورۂ طلاق:۶) تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق سکونت اور رہائش دو، جہاں تم بھی رہتے ہو اور ان کو ضرر نہ دو، کہ تم ان پر تنگی پیدا کرو، اسی سورۂ طلاق کی پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ان مطلقہ عورتوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ عورتیں از خود نکلیں۔ الا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو تو دوسرے مقام پر بھی عدت گذار سکتی ہے۔

آج ہمارے معاشرے کا بڑا المیہ ہے کہ طلاق اس قدر بے چیدہ عمل ہوگیا ہے کہ شوہر طلاق کی صورت میں ایک لمحہ کے لئے عورت کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتا اور نہ ہی عورت اس گھر میں رہنا گوارہ کرتی ہے، اس وجوبی حکم کے چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے کہ طلاق کے بعد مرد وزن میں مصالحت، مراجعت یا نکاح جدید کی کوئی شکل دور دور تک نظر نہیں آتی ہے بلکہ دو گھرانوں میں بغض وعداوت کا تناور درخت حائل ہوجاتا ہے۔

نعتِ پاک

کاوش: مفتی اکرام الحسن مبشر قاسمی*

مِرے نبی کا حسن بے مثال ہے، کمال ہے
وہی تو ایک پیکرِ جمال ہے، بےمثال ہے

بلند نبی کا ذکر ہے، خدا کے ذکر کی طرح
عروج بھی نبی کا لازوال ہے، کمال ہے

مقام وہ ہے آپ کا کہ عرش پر ہے منتظر
وہ ذات جو خدائے ذو الجلال ہے، کمال ہے

فلک بھی حیرتوں میں ہے کہ آج کون آ گیا
یہ کیسی دھوم دھام ہے، دھمال ہے، کمال ہے

یہ ہے کرم حضور کا کہ جس نے مانگا دے دیا
نہ کشمکش نہ کوئی بھی سوال ہے، کمال ہے

بھلا یہ کیسا عشق ہے؟ یہ کیسی ہیں محبتیں؟
کہ سنتوں کی پیروی محال ہے، کمال ہے

میں بے عمل سہی مگر نہیں ہے خوف حشر کا
شفاعتِ رسول میری ڈھال ہے، کمال ہے

ہو میری روح قبض جب تو نعت ہی زباں پہ ہو
کہیں یہ سب عجیب کیا وصال ہے، کمال ہے

نقوشِ رفتگاں

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی وفات ایک عہد کا خاتمہ

مولانا ندیم الواجدی*

خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ، اپنے جدامجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین، اپنے والد بزرگوار حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقیقی جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ان ممتاز شیوخ اور علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی علمی، دینی، اصلاحی اور تدریسی خدمات کے ذریعہ ایک طویل تاریخ رقم کی ہے، ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں زندہ رہتے ہیں، وہ علم وعمل کا ایک ایسا آفتاب تھے جو علم کے افق پر لگ بھگ ستر برس تک روشن رہا، افسوس آج یہ آفتاب دیوبند کے قبرستان قاسمی میں غروب ہوگیا۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ نانوتہ ضلع سہارن پور کے مشہور صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس خاندان نے امت کو بہت سے علماء وصلحاء عطا کئے ہیں، جن میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ وغیرہ حضرات کا ذکر کئے بغیر مغربی یوپی کی علمی اور دینی تاریخ آگے نہیں بڑھ سکتی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا وطن اور اپنی تعلیمی تحریک کا مرکز بنایا جس سے دارالعلوم دیوبند وجود میں آیا۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی پیدائش حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے گھر میں ۲۲ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ / جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی، اس لحاظ سے حضرت کی عمر ہجری تقویم کے اعتبار سے ۹۴ برس اور عیسوی سن کے اعتبار سے ۹۲ سال ہوئی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی والدہ ماجدہ رامپور منیہاران کے ایک علمی گھرانے کی چشم وچراغ تھیں، نہایت نیک، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، معمولات کی پابند خاتون تھیں، مولانا کی ابتدائی تربیت قدیم

علمی گھرانوں کی طرح والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، ۱۳۵۱ھ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا، ناظرہ اور حفظ قرآن کریم کی تکمیل پیر جی شریف گنگوہیؒ کے یہاں ہوئی، جو دارالعلوم دیوبند میں درجۂ حفظ کے استاذ تھے اور زندگی بھر آستانۂ قاسمی کے ایک حجرے میں مقیم رہے، حفظ قرآن کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ فارسی میں داخلہ لیا، فارسی کے اساتذہ میں مولانا محمد یاسین دیوبندیؒ، مولانا منظور احمد دیوبندیؒ اور مولانا سید حسن دیوبندیؒ بہ طور خاص قابل ذکر ہیں، ۱۳۶۲ھ میں عربی تعلیم کا آغاز ہوا، مکمل نصاب کی تکمیل اس وقت کے ماہر اور معروف اساتذہ کے ذریعے دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، حضرت کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا قاری اصغر صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں، حضرت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے ۱۳۶۲ھ میں تھانہ بھون حاضر ہوکر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے درس نظامی کی سب سے پہلی کتاب میزان الصرف سبقاً سبقاً پڑھی، حضرت کے انتقال سے آج حضرت تھانویؒ سے براہ راست استفادہ کرنے والے حضرات کے سلسلۂ زریں کا خاتمہ بھی ہوگیا ہے، ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی۔

آپ کے درسی ساتھیوں میں حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب پاکستانیؒ، حضرت علامہ رفیق احمد بھینسانیؒ حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا جلیل میاں حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا فرید الوحیدیؒ وغیرہ جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ فراغت کے فوراً بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں استاذ کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا، ابتداء میں ترجمۂ قرآن کریم اور نورالایضاح وغیرہ کتابوں کا درس دیا، بعد میں مشکوۃ، ہدایہ، شرح عقائد، نخبۃ الفکر، ابوداؤد اور بخاری شریف جیسی کتابوں کا درس بھی دیا، طویل تدریسی زندگی کے دوران ہزاروں شاگردوں نے ان سے استفادہ کیا جو اب حضرت کی یادگار بن کر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، وقت کی پابندی، تدریس میں انہماک، غیر ضروری مشاغل سے گریز آپ کے مزاج میں شامل تھا، فارغ اوقات میں کتب بینی میں مشغول رہتے، دعوتی اور اصلاحی اسفار کا طویل سلسلہ رہا، جو دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے زمانے سے دو سال قبل تک بلا انقطاع جاری رہا، اس دوران دنیا بھر میں آمدورفت رہی، اپنے والد بزرگوار کی طرح ہندوستان کے ہر شہر میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے مواعظ سے استفادے کا موقع دیا، ان کے مواعظ کا مجموعہ ''خطبات خطیب الاسلام'' کے نام سے کئی جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

دیو بند میں جامعہ دینیات کا قیام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے، یہ ادارہ حضرت کی فکری بلندی اور بالغ نظری کا آئینہ دار ہے، جو اس لئے قائم کیا گیا تاکہ یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں مصروف طلبہ مراسلاتی کورس کے ذریعہ دین کی تعلیم حاصل کرسکیں، اس ادارے سے اب تک لاکھوں طلبہ وطالبات استفادہ کر چکے ہیں، جامعہ دینیات کے نصاب ونظام کے مطابق ابتدائی دینیات، عالم دینیات اور فاضل دینیات کے لئے ہر سال ملک کے مختلف سینٹروں میں امتحان منعقد ہوتے ہیں، کامیاب امیدوار ملک کی متعدد یونی ورسٹیوں میں داخلے کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیو بند میں اختلافات رونما ہوئے اس کے نتیجے میں دارالعلوم دیو بند کے متعدد بڑے اساتذہ اور بہت سے ملازمین باہر آگئے، اس وقت دارالعلوم وقف دیو بند کی بنیاد رکھی گئی، یہ واقعہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۴ء کا ہے، اس نومولود دارالعلوم دیو بند کے اوّلین مہتمم کے طور پر حضرت کا انتخاب عمل میں آیا، آج یہ ادارہ بھی ملک کے بڑے اداروں کی صف میں شامل ہو چکا ہے، اہتمام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نے دارالعلوم وقف میں سالہا سال تک بخاری شریف کا درس بھی دیا، کمزوری اور پیرانہ سالی کے باعث فی الوقت آپ اہتمام کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو چکے تھے، البتہ سرپرستی آخری لمحۂ حیات تک جاری رہی۔ دارالعلوم وقف دیو بند کے اہتمام اور تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، اس دوران کئی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں ''مبادئ التربیۃ الاسلامیہ'' عربی، ''تاجدار ارض حرم کا پیغام''، ''مردِ غازی''، ''عظیم تاریخی خدمات'' وغیرہ قابل ذکر ہیں، سینکڑوں مضامین تشنۂ طباعت موجود ہیں، حضرت نے دارالمعارف کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جس سے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصانیف شائع فرمائیں۔ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر تھے، اس کے علاوہ سالہا سال تک آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر بھی رہے، سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی، رکن کورٹ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ممبر مجلس شوریٰ مظاہر العلوم وقف سہارن پور، رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی رہے، کئی اعزازات سے بھی نوازے گئے، مصری حکومت کی طرف سے نشان امتیاز دیا گیا، حضرت شاہ ولی اللہ ایوارڈ سے بھی سرفراز کئے گئے، پہلے بین الاقوامی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایوارڈ کے لئے بھی دنیا بھر کے منتخب علماء نے آپ ہی کا انتخاب کیا۔ آپ کے چار صاحب زادے ہیں، جناب محمد سلمان قاسمی مقیم پاکستان، مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیو بند، جناب محمد عدنان قاسمی، حافظ محمد عاصم قاسمی چیرمین طیب ٹرسٹ دیو بند اور دو صاحب زادیاں، محترمہ اسماء اعجاز اور محترمہ عظمی ناہید ہیں، ثانی الذکر کا شمار ملک کی نہایت نامور اور فعال خواتین میں ہوتا ہے۔

ابتداء میں مولانا محمد سالم قاسمیؒ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد والد محترم سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور خلافت واجازت بیعت سے سرفراز ہوئے، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز ہے، تقریباً سو اصحاب علم کو خلافت سے نوازا، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ اپنے جدامجد حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین وترجمان تھے، ان کی ہر مجلس ان کے ذکر سے معمور رہتی تھی، درسی تقریروں میں اور علمی مجالس میں حضرت کی زبان گہربار سے فیوض قاسمیہ کی اشاعت کا سلسلہ لگ بھگ ستر برس تک جاری رہا، افسوس ۱۴ / اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ دن کے ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر حضرت اپنے لاکھوں شاگردوں اور مریدوں کو بہ طور خاص دونوں دارالعلوموں کے ہزاروں طلبہ اور اہل دیوبند کو غمزدہ چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مجالسِ نبوی

از: مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

قرآن تو خود آپ پر اُترا ہے، میں آپ کو کیسے سناؤں؟

یوں تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح شام اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید کی آیات تلاوت فرماتے لیکن آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جی چاہا کہ اللہ کے اس پاکیزہ کلام کو اپنے کسی صحابیؓ کی زبانی سنیں۔

آپ کے جانثاروں میں عبداللہ بن مسعودؓ کا شماران لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنی حسن قرأت کی وجہ سے صحابہؓ کی جماعت میں رشک کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، وہ بہت ہی خوبصورت اور مؤثر انداز میں تلاوت فرماتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج ان سے ہی درخواست کی کہ وہ آپ کو قرآن پاک سنائیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ غیر متوقع درخواست سن کر وہ کہنے لگے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن تو خود آپ پر اُترا ہے، میں آپ کو کیسے سناؤں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں دوسروں سے اسے سننا چاہتا ہوں اور یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش پر عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی، جب وہ اس آیت پر پہنچے کہ ہم حساب کے دن ہر قوم سے ایک گواہ لائیں گے اور ان تمام گواہوں پر آپ کو گواہ بنائیں گے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن مسعودؓ! بس کرو۔

اس کے بعد ابن مسعودؓ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت ملنے والے اس اعزاز پر بے اختیار آنسو جاری تھے۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر: ۴۵۸۲)

(ماخوذ از مجالس نبوی: ۱۷۲)

فقہ اسلامی (قسط۔۱)

اسلامی انشورنس دورِ حاضر کی شدید ترین ضرورت

از: مولانا احسان احمد قاسمی*

نحمدہ و نصلی علی رسلنا الکریم اما بعد!

زمانہ جس قدر تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہے اسی قدر تیزی کے ساتھ خطرات و ہلاکتیں نقصانات وخسارے بھی روز افزوں ہے، ہر نئی ایجاد جہاں ہزار ہا سہولتیں فراہم کر رہی ہے وہیں ہزاروں کی ہلاکت کے اندیشہ بھی بڑھا رہی ہے، مثلا جب تک لوگ سیکل پر سفر کے عادی تھے تو حادثات بھی نادر تھے لیکن جب سیکل کی جگہ تیز رفتار گاڑیوں نے لے لی تو حادثات کی شرح میں بھی اضافہ ہو گیا، جب تک لوگ صرف بسوں اور ٹرینوں سے سفر کرتے تھے تب تک نقصانات نسبتاً کم ہوتے تھے مگر جب ہوائی جہاز سے سفر عام ہو گیا اور ہوائی جہاز کسی حادثہ کا شکار ہو گیا تو جہاں اس میں سفر کرنے والے سینکڑوں مسافروں کے گھر بار لٹ جاتے ہیں وہیں کروڑوں کی مالیت رکھنے والے اس ہوائی جہاز کے مالک کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہو جاتا ہے، نیز آئے دن عمر رسیدہ لوگ تو درکنار چھوٹے چھوٹے بچے بھی ایسی نئی نئی جان لیوا بیماریوں کے شکار ہوتے جا رہے ہیں جن کا علاج اور اس پر آنے والے اخراجات ایک عام انسان کے لئے ناقابل تحمل ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشرے کا ہر فرد ہر وقت اس طرح کے احوال سے دو چار نہیں رہتا بلکہ ناگہانی طور پر ان میں سے کوئی کوئی متأثر ہوتا رہتا ہے، ایسے حالات میں انشورنس کا نظام نہایت مؤثر، کارآمد، بلکہ ضروری محسوس ہوتا ہے کیونکہ اس میں خطرات پر آنے والے اخراجات کو اس قدر تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ ایک ناقابل تحمل چیز قابل تحمل بن جاتی ہے۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت از حد ضروری ہے کہ بعض حضرات کے خیال کے مطابق انشورنس کا نظام یکسر غیر شرعی ہے، اس نظام کو اختیار کرنا، اس میں حصہ لینا، تسلیم و رضا اور توکل کے منافی ہے، جب کہ ان باتوں کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ مروجہ انشورنس سے حاصل ہونے والے فوائد میں اکثر تو وہ ہیں جو دین و اسلام میں بھی مطلوب و مستحسن ہیں، مثلاً ان کمپنیوں کے ذریعہ پریشان حالوں کی بروقت امداد کی جاتی ہے، بڑے سے بڑے نقصانات کی تلافی، بیماروں کا بہتر سے بہتر ہاسپٹل میں علاج، بچوں کے تعلیمی اخراجات میں

تعاون، شادی بیاہ اور دیگر خرچیلے حالات میں مدد، وغیرہ امور ایسے ہیں جن کو اسلام نہ صرف جائز قرار دیتا ہے بلکہ بے شمار آیات وروایات کے ذریعہ ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، اور بڑی بڑی بشارتوں کے ذریعہ اپنے ماننے والوں کو ترغیب بھی دلاتا ہے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ ان اچھے مقاصد کی بنیاد مروجہ انشورنس کے ذریعہ جن اصولوں پر رکھی گئی ہے، وہ اصول شرعی اصولوں سے متصادم ہیں، جس کا حل صرف یہ ہے کہ جن غیر شرعی بنیادوں پر انشورنس کا نظام مبنی ہے اس کو شرعی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے تو امت کی ایک بہت بڑی مشکل آسان ہو جائے گی، بالفاظ دیگر انشورنس کی بنیاد بجائے تجارت وکاروبار کے (کیونکہ مروجہ انشورنس کی ساری کمپنیاں بطور کاروبار اس نظام کو چلاتی ہے، تجارت اولین مقصد ہے اور تعاون ثانوی مقصد) اگر باہمی تعاون وتناصر اور اخوت بھائی چارہ، ہبہ وعطیہ اور تبرع واحسان پر رکھی جائے تو اسلام اس کی بے پناہ حمایت کرتا ہے، خصوصاً جن حادثات کے مواقع پر انشورنس کی ضرورت پیش آتی ہے اس وقت انسان کو انہیں ہمدردانہ اوصاف کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اس کے برخلاف اگر یہ کسی کمپنی کی ایک تجارت بن جائے اور انسانیت کی ہمدردی اور ان کی امداد وتعاون ثانوی درجہ ہو جائے اور اس کو معاوضہ کی بنیاد پر قائم کر دیا جائے تو اس میں دھوکہ، جوا، سود وغیرہ مفاسد داخل ہو جاتے ہیں، جو شرعاً ناجائز اور حرام ہونے کے علاوہ قوم کے لئے بھی نہایت ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ بس مروجہ انشورنس اور اسلامی انشورنس (تکافل) میں یہی بنیادی فرق ہے۔

چنانچہ زمانہ کے ان بدلتے حالات میں زندگی، املاک، گھر بار کے علاوہ فون، لیپ ٹاپ، اسنادات وغیرہ تک کے انشورنس کروانا وقت کا تقاضہ بنتا جا رہا ہے، جبکہ مروجہ انشورنس میں پائے جانے والے مفاسد اور اصول شرع سے تصادم کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت نے اس پر عدمِ جواز کا حکم لگایا ہے، لہذا ایسے حالات میں اس بات کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ مروجہ انشورنس کا متبادل اسلامی انشورنس کو مارکٹ میں متعارف کروا کر اس کے ذریعہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، مروجہ انشورنس کے مقابلہ اسلامی انشورنس اور تکافل کی اہمیت کا احساس اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب کوئی پریشان حال، کسی حادثہ کا شکار، نہایت گراں قدر علاج یا بڑے نقصان سے دوچار، مروجہ انشورنس کا سہولت یافتہ کسی عالم یا مفتی سے اپنے حالات کی داستانِ الم سنا کر مسئلہ دریافت کرتا ہے کہ ان حالات میں انشورنس کمپنی اتنے لاکھ مجھے دینے تیار ہے اور میں ضرورت مند بھی ہوں کیا میں اس رقم کو لے کر استعمال کر سکتا ہوں؟ مستفتی کے احوال سن کر مفتی کیا کرے؟ مفتی بھی اپنے سینے میں ایک انسان کا دل رکھتا ہے، اثبات میں جواب دینے کی ہمت کسی عالم کے پاس اس لئے نہیں ہے کہ کسی ناجائز معاملہ کو جائز بنانے کا اختیار اس بیچارے کے پاس کہاں؟ اور نفی میں جواب دینے سے

اس لئے تردد ہوتا ہے کہ کہیں اس مصیبت اور پریشانی کا مارا شخص کو حرمت کا علم ہونے کے باوجود حرام کا مرتکب نہ ہو جائے، اس کے برخلاف اگر کوئی متبادل جائز نظام رائج ہوتا تو اس کا حوالہ دے کر ناجائز سے بچانا آسان بھی ہوتا لیکن شومئ اعمال سے ہمارے یہاں اس کا کوئی متبادل بھی رائج نہیں، چاروناچار حرمت وعدم جواز کا مسئلہ بتا کر پہلو تہی کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہتا؛ ایسے حالات میں اسلامی انشورنس کا نظام متعارف کروانا اور اس کی شکلوں کو رائج کرنا نہ صرف علماء کی بلکہ قائدانہ کردار رکھنے والی عوام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ علماء کی نگرانی میں جلد از جلد اس مسئلے کا حل کرے۔

الغرض اس موقع پر مروجہ انشورنس تو شاید محتاجِ تعارف نہیں کیوں کہ یہ عرف میں رائج ہونے کی وجہ سے تقریباً خاص وعام اس سے واقف ہے، البتہ جہاں تک اسلامی انشورنس سے مروجہ نظام انشورنس کے تقابل کی ضرورت درپیش ہو تو مختصراً مروجہ نظام کو بھی بیان کر دیا جائے۔

اسلام میں تکافل کا تصور

تکافل دراصل باہمی تعاون وتناصر کا ایک نظام ہے، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

انما المومنون اخوۃ مؤمنین تو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ وتعاونوا علی البر والتقویٰ نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔(۲) حدیث پاک میں ہے عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ المؤمن للمومن کالبنیان لیشد بعضه بعضا (مسلم ۶۷۵۰)(۳) حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن مؤمن کے لئے مضبوط عمارت کی طرح ہے جس کا بعض حصہ بعض کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے۔(۴) عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (مسلم: ۶۷۵۱) مومن کی مثال ایک دوسرے سے محبت مودت رحم اور نرمی کرنے میں ایک جسم کی ہے جب کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ عضو باقی تمام اعضاء کو رات کے جاگنے یا بخار برداشت کرنے پر راضی کر لیتا ہے۔(۵) مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، راستہ میں کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کا توشہ ختم ہو گیا اور اشیاء خوردنی کی قلت ہو گئی، اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کے پاس مابقیہ اشیاء خوردنی کو جمع کر لیا اور آپ رضی اللہ عنہ اس میں سے سب کو حساب سے تقسیم کر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان حضرات کو سمندر کے کنارے ایک بڑی مچھلی جس کو سمک عنبر کہا جاتا تھا ہاتھ لگ گئی؛ فقہاء نے اس واقعہ سے بھی تکافل کے جواز پر استدلال کیا ہے کیوں کہ حضرت

ابوعبیدہؓ نے بھی اجتماعی کفالت کا طریقہ اختیار کیا تھا۔(۲)اسلام میں کسی شخص کے ذمہ جتنے واجبات عائد ہوتے ہیں ان میں سب سے گراں قیمت دیت (خوں بہا) ہے، شریعت میں دیت کا اصول یہ ہے کہ تنہا مجرم نہیں بلکہ عاقلہ یعنی رشتہ دار سب مل کر اس کو ادا کریں گے بظاہر اس کی دو مصلحتیں ہیں۔(۱) چونکہ ایک بھاری بوجھ کی ذمہ داری عام افراد کے بس سے باہر ہوتی ہے تو اس کے لئے تعاون کا ایک راستہ موجود رہے (۲) جب دیت کی ادائیگی میں تمام لوگ شریک ہوں گے تو جرائم کے انسداد کی کوشش بھی سب کی جانب سے ہوگی، دیت صرف قتل عمد پر ہی واجب نہیں ہوتی بلکہ قتل خطاء پر بھی واجب ہوتی ہے اس طرح ایک متوقع خطرے کی تلافی کو بہت سے ایسے افراد پر تقسیم کردیا گیا ہے کہ اس کی ادائیگی ناقابل تحمل باقی نہ رہے، انشورنس کا بھی بنیادی منشاء یہی ہے، حضرت عمرؓ نے اس میں مزید وسعت کرتے ہوئے اہل ارزاق اور اہلِ دیواں کے دو گروپ بنادئے، اہل دیوان سے مراد سرکاری اور فوجی ملازمین تھے اور اہل ارزاق وہ غرباء تھے جن کو ان کی غربت کی وجہ سے وظیفہ دیا جاتا تھا، احناف نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ ایک پیشہ کے لوگ ایک دوسرے کے عاقلہ ہیں۔لو کان الیوم قوم تناصر ھم بالحرف فعاقلھم اھل الحرفۃ (ہدایہ ۳۶۰/۴)

اس میں مزید سہولت ہے کیونکہ ایک پیشہ کے لوگ ایک طرح کے خطرے سے دوچار ہوتے ہیں اس لئے وہ زیادہ خوش دلی کے ساتھ اس میں حصہ لیں۔(جدید مالیاتی ادارے)

الغرض! انشورنس کا جو بنیادی مقصد ہے کہ باہمی تعاون سے بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی کو آسان بنا دینا اس کا تصور اور اس کی نظیریں تعلیمات اسلامی میں پہلے سے موجود ہے اور کچھ نہ کچھ نظام کی تبدیلی کے ساتھ ہر زمانہ میں اس کی شکلیں موجود رہی ہیں، تکافل (اسلامی انشورنس) کا بھی بنیادی مقصد من وعن یہی ہے چونکہ اسلام کا ضابطہ ہے، اور یہی انصاف کا بھی تقاضہ ہے کہ کسی کو اگر فائدہ پہونچانا ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ دوسروں کو نقصان نہ ہو ایک کو فائدہ پہونچا کر دوسروں کو نقصان میں ڈالنا نہ عقلمندی ہے نہ انصاف لیکن مروجہ انشورنس کے نظام میں جہاں کئی ایک کی جمع کردہ رقم سے ایک کو فائدہ پہونچایا جاتا ہے وہیں غرر (دھوکہ) قمار (جوا) ربوا (سود) کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، جس سے حادثہ کا شکار نہ ہونے والے ہزاروں لاکھوں افراد کا پیسہ کسی ایک ہاتھ میں جمع ہوکر ایک جمیت کا نقصان ہوتا ہے، جب کہ اسلامی انشورنس (تکافل) ان تمام ممنوعات سے پاک وصاف رہتا ہے اسی لئے فقہاء نے نظام تکافل کو انشورنس کا متبادل قرار دیا ہے۔

(جاری۔۔۔۔)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

ادارہ

شریعت کی نظر میں معذور کون؟

سوال: اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ باوضو نہ رہ سکتا ہو تو کیا کرے؟ کیا ایسا شخص معذور ہوگا اور وضو کرنا اس کے لئے معاف ہو جائے گا؟

جواب: شریعت میں معذور ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو نماز کے پورے وقت میں عذر پیش آتا رہے اور کوئی وقت ایسا نہ مل سکے کہ وضو کر کے نماز اس عذر کے بغیر ادا کر سکے؛ تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں معذور ہے اور ایسے معذور کے لئے حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ایک دفعہ وضو کر لینا کافی ہے، تمام وقت اس عذر کے ساتھ فرائض ونوافل سب نمازیں ادا کر سکتا ہے، پھر وقت ختم ہوتے ہی ایسے شخص کا وضو باطل ہو جائے گا۔ (مستفاد از: فتاویٰ دار العلوم ۱/ ۲۹۹)

عذر کی حالت میں نماز

سوال: زید کو معدہ کی کمزوری کی وجہ سے مسلسل ریح خارج ہوتی رہتی ہے، اتنا وقت بھی بغیر ریح خارج ہوئے نہیں گذرتا کہ جس میں وضو کر کے نماز پڑھ سکے، جس کی وجہ سے ایک نماز کے لئے کئی کئی دفعہ وضو کرنا پڑتا ہے، ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ایسا شخص معذور ہے اس کے لئے ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ ایک نماز کے لئے وقت میں ایک مرتبہ وضو کر لینا کافی ہے، اسی وضو سے فرض، سنن اور نوافل ادا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد از: فتاویٰ دار العلوم: ۱/ ۲۹۸)

بارش کا بہتا پانی

سوال: مکانوں اور گلی کوچوں کا پانی جو بارش میں پڑتا ہے، وہ بہہ کر اگر کسی کنویں میں گرے تو کنواں

ناپاک ہوگا یا پاک؟

جواب: بارش کا پانی جو گلی کوچوں سے بہہ کر کنویں میں گرے تو اس سے کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔

(مستفاد از: فتاویٰ دار العلوم :۱/ ۲۰۷)

ناک سے نکلنے والا جما ہوا خون

سوال: اگر زکام کی حالت میں بلغم میں یا ناک کی ریزش میں جما ہوا خون دکھائی دیتا ہے تو کیا یہ خون وضو کو توڑ دیتا ہے؟

جواب: جما ہوا خون جو ناک سے آئے وہ وضو کو نہیں توڑتا۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۱/ ۱۵۰)

برہنہ غسل کرنے کی حالت میں وضو کا حکم

سوال: اگر وضو کر کے برہنہ غسل کرے تو اس وضو سے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: ستر کُھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہٰذا اگر اسی وضو سے نماز پڑھ لے تو نماز ہوجائے گی۔

(مستفاد از: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱/ ۱۵۰)

قئے میں خون آنا

سوال: اگر قئے میں خون آیا تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

جواب: اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ قئے میں آنے والا خون اگر پتلا اور بہتا ہوا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا چاہے مقدار میں کم ہو یا زیادہ، منہ بھر ہو یا نہ ہو، اور اگر یہ خون جمے ہوئے ٹکڑے کی شکل میں ہو اور منہ بھر ہو تب وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر منہ بھر سے کم ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (دار العلوم زکریا: ۱/ ۶۹۲)

مسجد میں جنابت پیش آنا

سوال: اگر کسی کو مسجد میں جنابت لاحق ہوگئی تو کیا بغیر تیمم کے باہر نکلے یا تیمم کر کے؟ اور کیا پانی کی موجودگی میں اس کو تیمم کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟

جواب: ایسا شخص مسجد سے نکلنے کے لئے تیمم کرے گا اور تیمم ضروری ہے بلکہ اسے فوراً تیمم کر کے مسجد سے نکل جانا چاہیئے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱/ ۷۰۸)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ فلسطینیوں کی مدد کے لئے ہم ہروقت تیار ہیں، مسئلہ فلسطین کے یکسوئی کے بغیر اسرائیل سے تعلقات قائم نہیں ہوسکتے۔محمد بن سلمان (روزنامہ سیاست،۷/اپریل۱۸ء)

✷ شام میں سرکاری فورسز کا مشتبہ کیمیائی حملہ۔ (روزنامہ منصف ۹/اپریل۱۸ء)

✷ دہشت گردی کو مغرب کی مسلسل حمایت اُسے ڈبودے گی: اردگان۔ (روزنامہ اعتماد،۹/اپریل۱۸ء)

✷ سعودی عرب کی تاریخ میں پہلی فیشک ویک کا انعقاد۔ (روزنامہ اعتماد،۱۱/اپریل۱۸ء)

✷ سعودی عرب 3050000 روزگار کے نئے مواقع۔ (روزنامہ سیاست ۱۲/اپریل۱۸ء)

✷ امریکہ قطر کو ۳۰/کروڑ ڈالر کے مزائل فروخت کرے گا۔ (روزنامہ اعتماد،۱۱/اپریل۱۸ء)

✷ جبل نور کی زیارت کو حج و عمرہ پیکیج میں شامل نہ کریں کیوں کہ وہاں غیر شرعی کام ہورہے ہیں۔

(روزنامہ اعتماد:۲۱/اپریل۱۸ء)

✷ پاکستان میں بھائیوں نے جائداد میں حصہ مانگنے پر بہن کی ٹانگیں کاٹ دیں۔

(روزنامہ منصف،۸/اپریل۱۸ء)

✷ ایران، شام اور یمن سے اپنے جنگجو واپس بلائے: سعودی وزیر خارجہ (روزنامہ اعتماد،۱۷/اپریل۱۸ء)

✷ میانمار فوج، اقوامِ متحدہ کی بدنام فوجوں کی فہرست میں شامل (روزنامہ اعتماد،۱۸/اپریل/۱۸ء)

✷ مسلمان ایک دوسرے کا دست و بازو بنیں، ایک دوسرے کے خلاف ورغلانا، بھڑکانا، عداوت اور کینہ کو ہوا دینا شیطانی حربے ہیں؛ امام کعبہ سعود الشریم (روزنامہ اعتماد،۲۲/اپریل۱۸ء)

✷ حکمراں حضرت عمر فاروقؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت کا مطالعہ کریں: امام مسجد اقصیٰ

(روزنامہ اعتماد،۲۲/اپریل۱۸ء)

✷ اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد نے ملیشیا میں فلسطینی سائنس دان کو قتل کردیا۔

(روزنامہ منصف،۲۳/اپریل۱۸ء)